12/-

بیمہ زندگی

بمطابق فقہ حنفی



تصنیف

جامع المعقول والمنقول مفسر قرآن محدث کبیر

حضرت مفتی محمد فیض احمد اویسی صاحب بہاول پور پاکستان

آرائش

حضرت علامہ قاری مفتی پیر سید محمد عارف شاہ اویسی قادری رضوی ترمذی

مکان نمبر A-686، سیکٹر A-11، نارتھ کراچی

پیشکش

شبینہ کمیٹی

ایل ۳۵۰ سیکٹر ۵ سی ۲،
بلال ٹاؤن نارتھ، کراچی

مکتبہ محمدیہ سیفیہ
مرکز الاویسیہ دربار مارکیٹ (سستا ہوٹل) لاہور
فون پی پی : 7324948-7112065

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

کتاب کا نام : بیمۂ زندگی مطابق فقہ حنفی

مصنف : حضرت علامہ فیض احمد اویسی صاحب

اشاعت بار اول :۔ فروری 2000ء

ناشر : شبینہ کمیٹی سیکٹر ایل ۵۰۔۳، ۵ سی ۲ بلال ٹاؤن نارتھ کراچی

پرنٹرز : رحمٰن انٹر پرائزر پاکستان چوک کراچی

کمپیوٹر کمپوزنگ : رضا گرافکس پاکستان چوک کراچی

☆☆☆

قیمت خرید ـــــ 12/ روپے

بیمۂ زندگی

بمطابق فقہ حنفی

تصنیف
جامع المعقول والمنقول مفسر قرآن محدث کبیر
حضرت مفتی محمد فیض احمد اویسی صاحب بہاول پور پاکستان

آرائش
حضرت علامہ قاری مفتی پیر سید محمد عارف شاہ اویسی قادری رضوی ترمذی

پیشکش
شبینہ کمیٹی
ایل ۳۵۰ سیکٹر ۵ سی ۲، بلال ٹاؤن نارتھ، کراچی

حروفِ عقیدت

اس کتاب کو پڑھنے سے پہلے یہ چند حروف ضرور پڑھ لیجئے۔

بیمہ پالیسی کیا ہے؟

عوام اہلسنت آپ یہ جان لیں کہ بیمہ پالیسی سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی کے آنے والے سالوں کا اندازہ لگا کر اس زندگی کے مطابق کسی بیمہ کمپنی سے سودا طے کرلے کہ مثال کے طور پر اگر میں 20 سال تک مزید زندہ رہا تو ہر مہینے کچھ رقم کمپنی کو دوں گا اگر اس دوران مر گیا۔ قتل ہو گیا یا میرا ایکسڈنٹ ہو گیا تو پھر کمپنی میرے وارث کو پورے 20 سال کی رقم کو دُگنی یعنی ڈبل کر کے واپس کرے گی اور اگر میں 20 سال کے بعد بھی زندہ رہا تو میں خود ڈبل رقم واپس لوں گا۔ یہی حال گاڑیوں مکانات جائیداد اور اعضائے انسانی وغیرہ کا بھی ہے کہ اس میں اندازہ لگایا جاتا ہے یہ چیز کتنی دیر تک چلے گی پھر اس حساب سے بیمہ کمپنیوں کے ریٹ مقرر ہیں۔ آسان مفہوم میں اسے بیمہ پالیسی کہتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ مسلک حق اہلسنّت والجماعت کے فقہائے کرام کی نظر میں اس مسئلے کی کیا حیثیت ہے؟ حرام ہے ناجائز ہے یا کیا ہے؟ کیا اس طرح بیمہ کروانا جائز ہے؟ کیا یہ سود ہے؟ کہ نہیں ہے؟

جوابِ اویسی: آئند صفحات میں میرے استاد قبلہ اویسی سرکار نے مسلک حق اہلسنت و الجماعت حنفی بریلوی کے تحت اس مسئلے پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

آپ پڑھئے اور دعا کیجئے کہ اللہ کریم ہمیں نورِ بصیرت عطا فرمائے (آمین) ان مسائل کا حل باہم مل بیٹھ کر تلاش کرنا چاہئے

اس مسئلے کا تعلق پوری امت مسلمہ سے ہے کیونکہ ان بیمہ کمپنیوں نے ہر ملک میں اپنا جال بچھایا ہوا ہے۔ ان کا قبلہ درست کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین

عقیدت مند اویسی

سید عارف ترمذی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی امام الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ الطیبین واصحابہ الطاهرین

اما بعد! دشمنانِ اسلام جو صدیوں پہلے اصول اسلام کو مٹانے کیلئے اٹھے آج وہ مکمل کامیاب نہ سہی عوام اہل اسلام کے دماغوں پر اپنا سکہ ضرور جما چکے ہیں وہ عوام اہل اسلام جو علماء کرام کی تحقیق کو اولیت دیتے تھے آج ان دشمنان سے متاثر ہو کر علماء کرام کی باتوں کو الٹا تخریب سمجھنے لگ گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ دجال جب آئے گا تو میدان یونہی ہموار ہوگا کہ عوام کے ذہنوں سے اس کا نام تک اتر جائے گا۔

دشمنان اسلام نے عوام اہل اسلام کو یوں پھنسایا کہ اصول اسلام کے خلاف ایسے محاذ کھولے جو دنیاوی مفادات سے بھرپور ہوں اور ان کا پرچار حکومتی سطح سے لیکن عوامی طاقت کے ذریعہ کیا گیا اور دوسری طرف خدا ترس علماء کرام کی عزت و عظمت پر ضرب کاری لگائی گئی۔ اب یہ حال ہے کہ اہل حق کی بات تخریب اور دشمنان اسلامی کا ہر منصوبہ تہذیب انا للہ وانا الیہ راجعون

مثلاً :- بیمہ زندگی کے اصول دیکھ لیں یہ سراسر اسلام کے منافی ہیں علماء کرام نے اسے اسلامی رنگ میں پیش کیا تو اسے ناقدری کے کھاتے میں ڈالا گیا۔ فقیر یہ رسالہ صرف خدا ترس مسلمانوں کے لئے پیش کر رہا ہے خدا ترس اہل اسلام اپنے اصول اسلامی کے عاشق بنیں اور غیروں کو غیر سمجھیں (آمین)

بیمہ کی اصل کاپی

دوسرے علماء کی طرح فقیر کے پاس بھی کمپنی کے افراد چند امراء کو ساتھ لے کر تشریف لائے تاکہ بیمہ کے جواز کا فتویٰ دوں۔ زبانی کافی اچھی باتیں سنائیں فقیر نے بیمہ کے اصل پروگرام کی کاپی طلب کی ایک صاحب یہی کاپی لائے اور ساتھ چند

شخصیات کے آراء کی کاپی بھی۔ فقیر نے پڑھ کر صاف کہہ دیا کہ بیمہ سود کی زد میں ہے۔ (پس یہ) حرام ہے اس کے جواز کی صورت نکل سکتی ہے اگر اسے کمپنی قبول کرے تو فقیر لکھ دے۔ وہ صاحب سن کر خاموشی سے چلے گئے۔

اسٹیٹ لائف

انشورنس کارپوریشن آف پاکستان

کا جاری کردہ پروگرام ملاحظہ ہو

دیہی بیمہ زندگی کا منصوبہ

بیمہ زندگی نہ صرف افراد اور خاندانوں کو مالی تحفظ فراہم کرتا ہے بلکہ معاشرے کی ترقی و خوشحالی بھی ایک مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ ہمارے ملک کی آبادی کا بیشتر حصہ قصبوں اور دیہاتوں میں مقیم ہے۔ دیہی آبادی کے معاشی مسائل شہری آبادی کے مسائل سے مختلف ہیں۔ اسٹیٹ لائف نے ملک کی اس بیشتر آبادی کو بیمہ زندگی کے فوائد پہنچانے کے لئے جو دیہاتوں میں رہتی ہے ایک نیا اور جامع بیمہ زندگی کا منصوبہ تیار کیا ہے جو دیہی آبادی کی ضرورت، رہن سہن اور حالات کے عین مطابق ہے۔ اس منصوبے کے تحت پالیسی کی مقررہ مدت کے دوران بیمہ دار کو بیمے کا تحفظ حاصل رہتا ہے اور میعاد ختم ہونے پر اس کو بیمے کی رقم بمعہ بونس رقم ادا کردی جاتی ہے۔ پالیسی کی مقررہ میعاد ختم ہونے سے قبل اگر خدانخواستہ بیمہ دار کا انتقال ہوجائے تو بیمے کی کل رقم اور جمع شدہ بونس کی رقم بیمہ دار کے ورثاء کو ادا کردی جاتی ہے۔

خصوصی تحفظ

- دیہی بیمہ زندگی کی پالیسی حسب ذیل خصوصی تحفظ کی حامل ہے:

o حادثاتی موت کی صورت میں ورثاء کو بیمے کی رقم کا تین گنا اور جمع شدہ بونس ادا

کیے جاتے ہیں۔

○ زرعی مشینوں مثلاً ٹریکٹر، تھریشر یا واٹر پمپ وغیرہ کی زد میں آکر موت واقع ہونے پر ورثاء کو بیمے کی رقم کا پانچ گنا مع جمع شدہ بونس ادا کیا جاتا ہے۔

آپ بھی اس دیہی زندگی کے منصوبہ کے ذریعہ چھوٹی چھوٹی بچتوں کو بیمہ زندگی کی پالیسی میں لگا کر ایک بڑی جائیداد کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔ آج آپ میں کمانے کی اہلیت اور صلاحیت موجود ہے۔ ۱۵ یا ۲۰ سال بعد جب آپ ان صلاحیتوں میں کمی واقع ہوگی تو آپ کو ایک معقول متبادل آمدنی کی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح آپ کو آئندہ بچوں کی اعلیٰ تعلیم اور بچیوں کی شادی کے لئے بھی ایک معقول رقم درکار ہوگی۔ ان تمام ضروریات کو پورا کرنے میں دیہی بیمہ زندگی پالیسی ممد و معاون ثابت ہوگی۔

پریمیئم کی ادائیگی

دیہی بیمہ زندگی کی پالیسی کی ادائیگی سالانہ اور ششماہی بنیاد پر ہے۔ آپ کی پالیسی ایک ایسی ملکیت ہے جس کی نقد مالیت میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

زر بیمہ اور پالیسی کی مدت کا تعین

آپ اپنی مرضی سے اپنی ضرورت اور حالات کے مطابق بیمہ کی رقم کا تعین کر سکتے ہیں۔ پالیسی کی مدت کا تعین ۱۵ سال یا ۲۰ سال میں سے جو بھی آپ کے لئے مناسب ہو کیا جا سکتا ہے۔

اہلیت

دیہی بیمہ زندگی کی پالیسی ۲۰ سے ۵۵ سال کی عمر تک کے افراد حاصل کر سکتے ہیں۔

بونس

عام بیمہ پالیسیوں کی طرح دیہی بیمہ زندگی کی پالیسی بھی بونس میں شریک ہوگی۔

ہر دو سال بعد اسٹیٹ لائف بونس کا اعلان کرتی ہے اور اسٹیٹ لائف کی فاضل آمدنی کا ½97 فیصد بیمہ داروں کو بونس کی شکل میں ادا کیا جاتا ہے۔

پریمیم کی ادائیگی میں رعایت

اگر قدرتی آفات مثلاً سیلاب' بارش' ٹڈی دل' ژالہ باری یا کیڑوں مکوڑوں کی وجہ سے فصل کو نقصان پہنچ جائے اور اسی دوران آپ کا پریمیم واجب الادا ہو تو آپ چھ ماہ کے اندر اندر پالیسی کو بغیر طبی معائنے اور لیٹ فیس کے بحال کرا سکتے ہیں۔

خود کار اقساطی ادائیگی

اگر آپ نے دو سال تک باقاعدگی سے پریمیم ادا کئے اور پھر کسی وجہ سے پریمیم کی ادائیگی نہ کر سکے تو پریمیم کی واجب الادا تاریخ سے آئندہ دو سال تک آپ کی پالیسی برقرار رہے گی۔

قرضے کی سہولت

دو سال کے مکمل پریمیم کی ادائیگی کے بعد ادا شدہ اقسام کی نقد مالیت (Sur-render Value) پر آپ اپنی پالیسی پر قرض لے سکتے ہیں۔ ضروریات کے لیے حاصل کی ہوئے قرض کی رقم آپ اپنی سہولت کے پیش نظر واپس کر سکتے ہیں۔

ضمنی معاہدے

مزید تحفظ حاصل کرنے کے لئے اسٹیٹ لائف کے دیگر ضمنی معاہدے بنیادی پالیسی میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔

پریمیم کی شرح

عمر	سالانہ پریمیم فی ہزار زر بیمہ ۱۵ سال	سالانہ پریمیم فی ہزار بیمہ ۲۰ سال
۲۰	۷۸٫۰۷	۵۹٫۱۲
۲۱	۷۸٫۰۷	۵۹٫۲۱
۲۲	۷۸٫۰۷	۵۹٫۲۳
۲۳	۷۸٫۱۸	۵۹٫۲۳
۲۴	۷۸٫۱۸	۵۹٫۳۳
۲۵	۷۸٫۲۸	۵۹٫۳۳
۲۶	۷۸٫۲۸	۵۹٫۴۳
۲۷	۷۸٫۳۸	۵۹٫۵۳
۲۸	۷۸٫۳۸	۵۹٫۶۴
۲۹	۷۸٫۴۹	۵۹٫۷۴
۳۰	۷۸٫۵۹	۵۹٫۸۴
۳۱	۷۸٫۶۹	۵۹٫۹۵
۳۲	۷۸٫۸۰	۶۰٫۰۵
۳۳	۷۸٫۹۰	۶۰٫۲۶
۳۴	۷۹٫۰۰	۶۰٫۴۶
۳۵	۷۹٫۱۰	۶۰٫۶۷
۳۶	۷۹٫۳۱	۶۰٫۸۷
۳۷	۷۹٫۵۲	۶۱٫۰۸
۳۸	۷۹٫۷۲	۱۶٫۳۹
۳۹	۷۹٫۹۳	۶۱٫۸۰
۴۰	۸۰٫۲۴	۶۲٫۲۱
۴۱	۸۰٫۵۵	۶۲٫۲۱
۴۲	۸۰٫۸۶	۶۳٫۱۴
۴۳	۸۱٫۲۷	۶۳٫۷۶
۴۴	۸۱٫۷۸	۶۴٫۳۸
۴۵	۸۲٫۳۰	۶۴٫۹۹
۴۶	۸۲٫۹۲	۶۵٫۸۲
۴۷	۸۳٫۶۴	۶۶٫۷۴
۴۸	۸۴٫۳۶	۶۷٫۶۷
۴۹	۸۵٫۲۸	۶۸٫۷۰
۵۰	۸۶٫۲۱	۶۹٫۸۳
۵۱	۸۷٫۲۴	۷۱٫۰۷
۵۲	۸۸٫۳۷	۷۲٫۵۱
۵۳	۸۹٫۶۱	۷۳٫۹۵
۵۴	۹۰٫۹۵	۷۵٫۵۰
۵۵	۹۲٫۲۹	۷۷٫۲۵

بڑی رقم کی پالیسیوں پر پریمیم میں رعایت

۶،۰۰۰	یا اس سے زائد	۵۰	پیسے فی ہزار
۱۰،۰۰۰	یا اس سے زائد	۱	روپیہ فی ہزار
۲۰،۰۰۰	یا اس سے زائد	۱	روپیہ ۵۰ پیسے فی ہزار
۵۰،۰۰۰	یا اس سے زائد	۲	روپیہ فی ہزار
۱۰۰،۰۰۰	یا اس سے زائد	۳	روپیہ فی ہزار

نوٹ: سمجھدار بلا تامل پکار اٹھتا ہے کہ یہ سود ہے اور مسلمان سود کو حرام سمجھتا ہے

انتباہ: بیمہ کھلم کھلا سود ہے اس میں ذرہ برابر شک و شبہ نہیں لیکن افسوس کہ کمپنی کے افراد محض چند ٹکے کمانے کے لئے ہزاروں حیلے بہانے بناتے ہیں سب سے بڑا دھوکہ یہ کہ ایک کاپی پر مشاہیر کے آراء درج ہیں اور بعض مفتیوں کے فتاویٰ بھی۔ اِن مشاہیر میں حضرت شیخ سعدی شیرازی قدس سرہ سے لے کر علامہ اقبال مرحوم تک کا ذکر ہے۔ اس طرح سے وہ عام مسلمانوں کو پھنسانے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔

تبصرہ اویسی غفرلہ

جس دور کے بیمہ کے متعلق ان حضراتؒ کا معاملہ ہے اس وقت بیمہ کی سرپرستی غیر مسلموں کے ہاتھ میں تھی اس میں جواز کی ایک آدھ صورت نکل سکتی تھی جس کی تفصیل آئے گی (انشاء اللہ) پھر ان میں سے بعض حضرات کی عبارات فتاویٰ نہیں بلکہ بیمہ کے فوائد کی آراء ہیں بیمہ کے دنیاوی مفادات کا کون منکر ہے مسلمان کو دنیاوی فوائد مطلوب نہیں ہونے چاہئیں بلکہ وہ تو آخرت کی فکر میں ہو کہ یہ فائدہ اسے کہیں دوزخ میں نہ لے جائے اور ظاہر ہے کہ بیمہ کا دنیاوی منافع دوزخ کا ٹکٹ ہے۔ کوئی دوزخ کا ٹکٹ خریدتا ہے تو خریدے بس ہمارا تو کام ہے اصلاح کرنا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ کا بیان خلق خدا کو نفع رسانی پر مبنی ہے اس سے بیمہ کو کیا

تعلق اور بڑی شخصیات کے آراء بھی بیمہ کی دنیاوی منفعتوں اور سہولتوں کے لئے ہیں جواز و عدم جواز سے ان آراء کا کیا تعلق وہ شریعت کے مفتی نہیں بلکہ ملک کے بہتر لیڈر ہیں۔

فتاویٰ علماء کرام کا حال

افسوس کہ بیمہ کمپنی کے افراد مسلمان ہو کر فریب کاری کی حد کر دیتے ہیں ہمارے دور کا حال یہ ہے کہ جس علاقہ میں جس عالم دین کا اثر زیادہ ہے اس کے لئے صاف جھوٹ بول دیتے ہیں کہ بیمہ کو وہ نہ صرف جائز سمجھتے ہیں بلکہ وہ تو کمپنی کے ممبر ہیں فقیر اتنا بااثر انسان نہیں اس کے باوجود بہت سے زمینداروں کو میرے نام سے پھنسایا یہی حال سابق دور کے علماء کا رہا۔ کمپنی کی کاپی میں چند دیوبندی مفتیوں کے فتاویٰ درج ہیں وہ بھی دھوکہ ہے اس کی شہادت مفتی محمد شفیع دیوبندی (کراچی) سے لیجئے انہوں نے اپنے دور میں اس کے خلاف بڑا کام کیا۔ رسالے لکھے دوسرے علماء کو ملایا اور کمپنی کو شرعی اصول بلکہ اسلامی قواعد کے مطابق ضوابط بھی لکھ کر دیئے لیکن انہوں نے رسالہ بیمہ زندگی میں لکھا (ص ۶۱،۱۵)

کراچی کے مفتی کا بیان

عرصہ دراز ہوا کہ احقر سے ایک بیمہ کمپنی کے کسی ایجنٹ نے بیمہ کے جواز و عدم جواز کا سوال کیا ان کے پیش نظر تو صرف اتنا تھا کہ میری طرف سے کوئی حرف جواز ہاتھ آجائے تو وہ اسے مسلمانوں کو بیمہ کرانے کی ترغیب کا اشتہار اور اپنے کاروبار کی ترقی کا ذریعہ بنائیں۔ جیسا کہ ان کی دی ہوئی ایک کتاب میں دوسرے بہت سے علماء کے ایسے ہی کلمات کو بطور اشتہار انہوں نے استعمال کیا ہوا تھا اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر کے جو عبارت لکھی ہوئی تھی اس میں درمیان سے ایک پوری سطر کاٹ کر نقطے لگائے ہوئے تھے۔ جس سے

معلوم ہوتا تھا کہ اس سطر میں مفتی صاحب موصوف نے کمپنی کی منشا کے خلاف کوئی بات لکھی تھی اس لئے اس کو درمیان سے حذف کردیا گیا ہے۔ مگر دیانت کا اتنا پہلو بھی غنیمت نظر آیا کہ درمیان سے ایک سطر کی خالی جگہ میں نقطے لگا کر اتنا بتلادیا تھا کہ مفتی صاحب کی عبارت مسلسل نہیں ہے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد دیکھا کہ ؂

بگولے اس لئے منڈلا رہے ہیں میرے مدفن پر
کہ یہ دھبہ بھی کیوں باقی رہے صحرا کے دامن پر

رفتہ رفتہ دیانت کا یہ ہلکا سا اثر بھی ختم ہوا۔ اور اب جو پمفلٹ شائع ہوئے ان میں عبارت کو مسلسل کر کے چھاپ دیا گیا (انا للہ وانا الیہ راجعون)

نوٹ: اس کے علاوہ دوسرے دیوبندی علماء کے فتاویٰ کے متعلق بھی مفتی صاحب موصوف صفائی دیتے ہیں۔ دیکھئے اسی کتاب کی عبارت درج ذیل ہے۔

"اس رسالہ میں بیمہ کمپنی کی طرف سے بہت لوگوں کی رائیں بیمہ کی اہمیت کے متعلق شائع کی گئی ہیں جن میں کچھ علماء کے اقوال و فتاویٰ بھی ہیں۔ عام راویوں کے متعلق تو ہمیں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ وہ ان کی شخصی رائیں ہیں جن کا مسئلہ شرعیہ سے تعلق نہیں البتہ علما کے جو اقوال و فتاویٰ نقل کئے گئے ہیں۔ ان میں سخت تلبیس اور مغالطہ ہے اور اس کا تعلق شریعت کے حکم سے ہے اس لئے اس کی حقیقت واضح کرنا ضروری ہے۔

جن علماء کے اقوال اس میں پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں بجز تین حضرات کے باقیوں کی طرف مروجہ بیمہ کا جواز منسوب کرنا قطعاً غلط اور تلبیس و مغالط ہے ان میں چند علماء کے اقوال تو خود ان کی تصریح کے مطابق اس پر مبنی ہیں کہ ان کو بیمہ کمپنی کے قواعد اور معاملات کا علم ہی نہیں تھا۔ صرف اتنی بات سامنے تھی کہ اس سے امداد باہمی اور ضرورت کے وقت کے لئے آمدنی سے بچت کے نکلتے ہیں جس کے مفید اور

محمود ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً حضرات ذیل

۱۔ مولانا محمد مسلم عثمانی فاضل دیوبندی

۲۔ شمس العلماء تاجور نجیب آبادی

۳۔ مولانا عبدالقادر فاضل دیوبندی

۴۔ مولانا ابو محمد یونس صاحب فاضل دیوبند

۵۔ مولانا فیوض الرحمٰن صاحب مدرسہ نیلا گنبد لاہور

۶۔ مولانا سید محمد طلحہ صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور

ان سب حضرات نے اس کی تصریح پوری وضاحت سے فرمادی ہے کہ ہمیں بیمہ کے اصول و قواعد اور معاملات کی تفصیلات معلوم نہیں صرف غریبوں کے لئے کچھ پس انداز کرنے کی اور حوادث کے وقت امداد باہمی کی ایک صورت سمجھ کر اس کے جواز کا حکم لکھ رہے ہیں۔

ایسی حالت میں ان کے قول کو بیمہ کے جواز کا فتویٰ قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ آمدنی سے کچھ پس انداز کرنا جو ضرورت کے وقت کام آسکے اور حوادث کے وقت مصیبت زدہ کی امداد اگر خلاف شرع امور سے خالی ہو تو اس کے جائز بلکہ پسندیدہ اور موجب ثواب ہونے کا کون انکار کر سکتا ہے۔

لیکن رسالہ ہذا میں پوری تشریح و تفسیر کے ساتھ یہ بات آپ کے سامنے آچکی ہے کہ بیمہ کی مروجہ صورت میں سود بھی ہے اور قمار (جوا) بھی اور یہ دونوں چیزیں حرام ہیں۔ اگر انہیں حضرات سے وہ تمام تفصیلات جن کی رو سے بیمہ کا سود و قمار پر مشتمل ہونا واضح ہو جاتا ہے پیش کر کے سوال کیا جاتا تو یقین تھا کہ ان میں سے ایک بھی اس کے جواز کا فتویٰ نہ دیتا۔

دوسرے وہ حضرات ہیں جن کے فتاویٰ بیمہ زندگی کے حرام و ناجائز ہونے پر طبع شدہ مشہور و معروف ہیں اور ان کے جو فتاویٰ اس رسالہ میں جمع کئے گئے ہیں ان کا

کوئی ادنیٰ سا تعلق بھی بیمہ کے جواز سے نہیں ہے۔

مثلاً اکابر علماء دیوبند۔ مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب اور شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی" حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی شمس العلماء سید نجم الحسن صاحب لکھنوی۔

ان حضرات کے جو فتاویٰ اس رسالہ میں جمع کیے گئے ہیں ان سب کا حاصل اس کے سوا نہیں کہ دارالحرب میں غیر مسلم سے سود لینے کے جواز میں جو بعض فقہا نے گنجائش دی ہے بعض نے اس پر فتویٰ دیا ہے اور بعض نے یہ گنجائش بھی نہیں دی، البتہ جب ان کو یہ بتلایا گیا کہ مسلمان جو اپنی رقم کا سود انگریزی بینکوں میں چھوڑ دیتے ہیں تو حکومت اس کو عیسائی مشن کے ذریعے نصرانیت کی تبلیغ میں خرچ کرتی ہے تو انہوں نے صرف یہ فتویٰ دیا کہ ایسی صورت میں سود کی حرام رقم کو بینک میں نہ چھوڑیں وہاں سے وصول کر کے غریبوں پر صدقہ کر دیں۔ مطبوعہ رسالہ جن لوگوں کے سامنے ہو وہ حرف بحرف اس کی تصدیق کریں گے ان فتاویٰ میں صرف مسئلہ کی یہ نوعیت اس حالت کے لئے بیان کی گئی ہے جب کہ انسان دارالحرب میں رہتا ہو اور اہل حرب اس کے سود کی چھوڑی ہوئی رقم کو اسلام کے خلاف کاموں میں استعمال کرتے ہوں۔ ان مسائل کا پاکستان کی اسلامی حکومت سے کیا واسطہ، پاکستان دارالاسلام ہے، یہاں سود کی رقم نصرانیت کی تبلیغ پر خرچ کرنے کا کوئی امکان نہیں اس کے علاوہ یہ بتلائیے کہ اس مسئلہ کا بیمہ مروجہ کے جواز سے کونسا علاقہ ہے کہ رسالہ "بیمہ کی اہمیت" میں ان فتاویٰ کو نقل کرنے کے بعد رسالہ مذکورہ کے ص ۲۲ میں ان بزرگوں پر یہ تہمت لگائی گئی ہے کہ انہوں نے بیمہ مروجہ کے جواز کے فتوے دیئے ہیں ان کے الفاظ یہ ہیں۔"

"مولانا کفایت اللہ صاحب سابق صدر جمعیت علماء ہند دہلی، اور مولانا عزیز الرحمٰن

صاحب مفتی دارالعلوم نے فتوے صادر فرمائے ہیں کہ زندگی کا بیمہ کرانا اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں۔ یہ ایک قسم کی تجارت ہے۔ جو کہ فضول خرچیوں اور اصراف بے جا کے دباؤ سے بچانے کے لئے بہت مفید ہو سکتی ہے۔"

مفتی کی فریاد

مذکورہ بالا تحریر کے بعد مفتی صاحب کمپنی کا رونا روتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"کتنی بڑی جسارت ہے کہ ان اکابر علماء کی طرف بیمہ مروجہ کے جواز کے فتوے منسوب کردیئے حالانکہ ان سب حضرات کے فتاویٰ جو عموماً شائع بھی ہو چکے ہیں۔ ان میں زندگی کا بیمہ مروجہ کو صراحتہ حرام کہا گیا ہے۔ اور شدت کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ ان میں سے بہت سے حضرات کے فتاویٰ شائع بھی ہو چکے ہیں۔

ہم سب

یہ رونا ہم سب کا مشترکہ ہے لیکن افسوس کہ ہم غریبوں کی کوئی نہیں سنتا۔ ہاں آج ہم رو رہے ہیں کل یہ کمپنی اور اس کے کارندے اور بیمہ کرنے والے اور اس سے فائدہ اٹھانے والے سب روئیں گے۔ (انشاء اللہ)

فتاویٰ امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ

اس سے بڑھ کر رونا ان نیم خواندہ مولویوں یا سرکاری درباری مولویوں کا ہے جو بلا تحقیق بیمہ و دیگر بے شرع امور کو محض سرکار اور نئی تہذیب کے دلدادہ گان کو خوش کرنے کے لئے شرعی مسائل کو نئے اجتہاد کا رنگ دے کر ناجائز کو جائز اور جائز کو ناجائز کے کھاتے میں ڈالنے پر کمربستہ ہیں حال ہی میں ایک نئی تہذیب کے عاشق نے مفتی امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ پر افتراء کرکے مطلق بیمہ کو نہ صرف جائز لکھا بلکہ اپنے ایک مشہور رسالہ میں شائع بھی کر دیا۔

نوٹ: امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت کا لوہا مخالف بھی مانتا ہے آپ کے دور

میں بیمہ کمپنی کفار کے ہاتھوں تھی اسی لئے مطلقاً جواز لکھا گیا ورنہ یہ فقہ حنفی کا مسلم مسئلہ ہے کہ جس کمپنی میں ایک بھی مسلمان حصہ دار ہو امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی جواز اسی شرط سے مشروط ہے کہ اس میں کوئی مسلمان حصہ دار نہ ہو۔ تفصیل آئے گی (انشاء اللہ)

بیمہ انشورنس

بیمہ انشورنس سے متعلق عام مسلمان غلط فہمی کا شکار ہیں امام احمد رضا نے اپنے ایک خط کے ذریعے اس گتھی کو سلجھادیا ہے اور انتہائی سادہ و آسان لفظوں میں فرماتے ہیں۔

"جبکہ بیمہ صرف گورنمنٹ کرتی ہے اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں تو جائز ہے۔ حرج نہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس کے سبب اس کے ذمے کسی خلاف شرع احتیاط کی پابندی نہ عائد ہوتی ہو جیسے روزوں یا حج کی ممانعت"

(احکام شریعت ص ۱۸۱)

ظاہر ہے کہ ہر وہ فعل جو خلاف شرع احتیاط کا پابند بناتا ہو۔ مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے اور بیمہ ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کرتا ہے"

(ماہنامہ ضیائے حرم لاہور بابت صفر ۱۴۰۳ھ)

اعلیٰ حضرت کے فتویٰ کی وضاحت

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے مندرجہ بالا فتویٰ سے خود ضیائے حرم کے مفتی صاحب غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت کا یہ فتویٰ ان کے اپنے دور کی خالص انگریزی حکومت کے بارے میں تھا جو کہ خالص کفار کی حکومت تھی۔ مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی کا فتویٰ ہم نقل کرتے ہیں ان کے یہ الفاظ اعلیٰ حضرت کے اسی فتویٰ کی وضاحت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ

"اگر یہ بیمہ کمپنی خالص کفار کی ہے اور بعد بیمہ اہل کمپنی اس شخص کو سفر حج یا دیگر احکام شرعیہ سے نہیں روکتے اور مسلمان کے نقصان کا قوی اندیشہ نہ ہو تو بیمہ کرانا جائز ہے۔ جو فائدہ اس بیمہ کے ذریعے بیمہ کرانے والا حاصل کرے وہ حلال ہے"

ولہذا حکومت پاکستان جو بفضل اللہ تعالیٰ اسلامی حکومت ہے کے بیمہ کو اعلیٰ حضرتؒ کے اس فتویٰ سے جائز قرار دینا ضیائے حرم کے مفتی صاحب کی صرف غلط فہمی ہی نہیں۔ بلکہ عامتہ المسلمین کو گمراہی میں ڈالنا بھی ہے۔

نوٹ: یہ مفتی ضیائے حرم کا قصور ہے تو اس کے ان سرپرست پروفیسروں ڈاکٹروں اور وکلاء کی وجہ سے جنہوں نے اسلام کے اصول کو نئی تہذیب کے دلدادگان پر قربان کرنے کی قسم کھا رکھی ہے ورنہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی وجہ ظاہر تھی کہ انہوں نے اس دور کے مطابق فتویٰ دیا جبکہ کمپنی کے کارندے غیر مسلم تھے اور وہ فتویٰ بھی مشروط تھا آج تو کارندے مسلمان ہیں تتبدل الاحکام بتبدل الازمان کا قاعدہ مفتی کو معلوم نہیں تو پھر مفتی بننے کا کیا فائدہ۔

شارح مسلک حق حکیم الامتہ مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ

خدا بھلا کرے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کہ بروقت اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے فتویٰ کی وضاحت فرمادی ورنہ مفتی مذکور نے مسلک احمد رضا قدس سرہ پر ضرب کاری لگانے میں کسر نہ چھوڑی تھی۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ نعیمیہ میں ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زندگی کا بیمہ کرانا کیسا ہے۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ مل کر ایک انجمن قائم کرتے ہیں اور ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق کچھ رقم جمع کراتا رہتا ہے یہ طے ہو جاتا ہے کہ اتنے زمانہ تک یہ رقم جمع کراتا رہے گا اور اس کے بعد روپیہ انجمن سے حاصل کرے گا۔ اب اگر ایک ہی قسط ادا کرنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا تو انجمن کو وہ تمام رقم ادا کرنی پڑے گی جو طے ہو چکی

ہے مثلاً اگر دس ہزار روپیہ کا بیمہ کیا اور بیس روپے ماہوار ادا کرنے کا تاحین حیات
اقرار کیا۔ اب اس کا ایک ہی قسط ادا کرنے کے بعد انتقال ہو گیا تو بھی انجمن کو دس
ہزار روپیہ دینا ہوگا اور اگر سو برس تک بھی زندہ رہ کر مرا تو بھی اتنا ہی روپیہ۔ اس میں
بہت سے فائدے ہیں۔

۱۔ تھوڑی تھوڑی رقم جاتی ہے اور اکٹھی رقم آتی ہے۔

۲۔ روپیہ محفوظ رہتا ہے اور اپنی اولاد کی طرف سے بے فکری رہتی ہے۔ ایسا بیمہ کرانا
جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو وہ شرکت ہے یا امانت؟ اور اگر ناجائز ہے تو
کیوں؟

بیّنوا و توجروا (از اجمیر شریف)

الجواب: اگر یہ بیمہ کمپنی خاص کفار کی ہے اور بعد بیمہ اہل کمپنی اس شخص کو سفر حج
یا دیگر احکام شرعیہ سے نہیں روکتے اور مسلمان کے نقصان کا قوی اندیشہ نہ ہو تو بیمہ
کرانا جائز ہے اور جو فائدہ اس بیمہ کے ذریعہ بیمہ کرنے والا حاصل کرے وہ حلال ہے
کہ یہ عقد یا تو عقد ربوا ہے یا عقد قمار۔
ربوا تو اس لئے کہ جو رقم بیمہ والے سے کمپنی لیتی ہے وہ یا تو بطور قرض لیتی ہے یا
بطور بیع اور دونوں صورتوں میں بیمہ کرنے والا رقم بھی لیتا ہے اور وہ منافع بھی حاصل
کرتا ہے جو سائل نے بیان کئے۔ لہٰذا یہ ربوا (سود) ہوا۔ بصورت قرض تو اس لئے کہ
کل قرض جر نفعاً فھو ربوا (ہر قرض جو نفع کھینچے وہ سود ہے) اور بصورت بیع اس لئے کہ
یہ منافع خالی عن العوض ہیں۔ لہٰذا ربوا ہیں بحر الرائق میں ہے فضل مال بلا عوض
فی معاوضتہ مال بمال (یعنی سود مال کی اس زیادتی کا نام ہے جس کا عوض نہ ہو جب
کہ یہ مال کے بدلہ میں مال لینے میں پائی جائے اور در مختار میں ہے ھو فضل حال عن
العوض مشروط لاحد ھما فی المعاوضہ (سود اس زیادتی مال کا نام ہے جو بائع یا

مشتری میں سے کسی ایک کے لئے شرط کی گئی ہو اور وہ عوض سے خالی ہو اور یہ مال کے بدلہ میں مال لینے کے عقد میں پائی جائے) نیز اسی درمختار میں ہے فدخل ربو النسئیه والبیوع فکلها من الربا۔

قمار (جوا) اس لئے کہ قمار میں ایجاب مال علیٰ شرط الغلبہ ہوتا ہے (قاموس) اس میں یہ ہے کہ اگر صاحب بیمہ کی زندگی دراز ہوئی تو کمپنی کا غلبہ ہوا کہ اس کے پاس رقم زیادہ پہنچی اور اگر اس کی عمر کم ہوئی تو اس کو نفع ہوا کہ رقم کم گئی اور زیادہ رقم ہاتھ آئی اور تمامی عقود فاسدہ خواہ بیع بالشرط ہو یا ربوا یا قمار۔ ان کے ذریعہ سے کفار حربیہ سے اگر مسلمان کو نفع ہو تو جائز ہے اور اگر کفار کو ہو تو ناجائز بحر الرائق میں ہے ای لاربوا بینهما فی دارالحرب عندهما خلافا لابی یوسف وفی البنایته وکذاء اذا باع خمرا او خنزیرا او میته او قاموهم واخذ المال کل ذلك یحل له اور اسی میں ہے۔

لایخفی انه انما اقتضی حل مباشره العقد اذا کان الزیاده نیالها المسلم۔ اور درمختار میں ہے۔ ولابین حربی ومسلم لان ماله ثمه مباح فیحل برضاه مطلقا بلا عذر اور ردالمختار میں ہے۔ حتی لوباعهم درهما بدر همین او باعهم میته بد راهم او اخذ مالا منهم بطریق القمار فذلك کله طیب له اور اسی میں ہے ان مراد هم من حل الربوا والقمار ما اذا حصلت الزیاده لسملم۔

اور شرعاً یہ عقد عقد شرکت نہیں کہ شرکت میں مال شرکت تو متعین و معلوم ہونا چاہئے اور مال ادا غیر متعین و غیر معلوم ہونا چاہئے۔ شرکت میں خبر نہیں کہ نفع ہوگا یا نقصان اور اگر نفع ہوگا تو کتنا اور اگر نقصان ہوگا تو کتنا۔ مگر یہاں معاملہ برعکس ہے کہ جو رقم بیمہ والے کو ملے گی وہ تو معلوم ہے مگر جو رقم کمپنی کو حاصل ہوگی وہ مجہول ہے کہ بوقت شرکت کسی کو خبر نہیں کہ اس شخص سے کتنا روپیہ وصول ہوگا۔ اگر موت جلد واقع ہوگی تو روپیہ کم وصول ہوا اور بصورت دیگر زیادہ۔

اور اگر اس شخص نے روپیہ بغرض شرکت بھی دیا ہو تب بھی شرکت فاسدہ ہے کیونکہ مقرر کردی گیا ہے کہ اتنا روپیہ واپس لوں گا اور شرکت فاسدہ قرض بن جاتی ہے در مختار میں ہے۔ وتفسد باشراط دراهم مسمات من الربح لاحذهما لقطع الشرکه اور رد المختار و ذلك يقطع الشرکه فتخرج الی القرض اور البضاعت نہ یہ امانت ہے۔ والله تعالیٰ اعلم (فتاویٰ نعیمیہ ص۸)

توضیح مزید از فقیر اویسی غفرلہ: اس سے کوئی بدگمانی کرے کہ جب سود حرام ہے تو پھر غیر مسلم سے لینا کیسے حلال ہوگیا۔ سطحی طور اسلام کو سمجھنا آج کل عام ہے۔ بالخصوص دشمنانِ اسلام نے ایسے مسائل لیکر عوام بلکہ بہت بڑے پڑھے لکھے لوگوں کو بہکایا اور بہکا رہے ہیں اصل مسئلہ سود کا نہیں اس کا اصل ضابطہ ہے عقود فاسدہ کا عقود فاسدہ غیر مسلموں سے دارالحرب وغیرہ میں جائز ہے اس کے ضمن میں سود شامل ہوا ہے یعنی دارالحرب میں فقہاء نے ''عقو و فاسدہ'' کی اجازت دی ہے عام کتابوں میں اگرچہ ''مستامن'' کی قید ہے لیکن (شرح السیر الکبیر سے ص۱۱۱ج) ''حربی مسلم'' کے لئے بھی اجازت معلوم ہوتی ہے یعنی وہ معاملات جو شریعت کی نگاہ میں صحیح نہیں ہیں۔ البتہ ان میں رضامندی کی شرط ضروری ہے۔ عذر کی اجازت نہیں چنانچہ فرمایا کہ۔

ثم قد علم ان الربا لایجری بین المسلم والحربی فی دارالحرب

پھر یہ امر معلوم ہے کہ ''ربوا'' دارالحرب اور دارالسلام کے باشندوں کے درمیان جاری نہیں ہے۔

اس کی دلیل بھی خود مؤلف کی زبانی ملاحظہ ہو۔

استدلال نمبر۱: حضرت عباسؓ کے اسلام لانے کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کب اسلام لائے بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ غزوہ بدر سے قبل ہی اسلام لاچکے تھے۔

بعض کہتے ہیں کہ غزوہ بدر میں گرفتار کرلئے گئے اور اس کے بعد اسلام لائے' پھر جناب رسول اللہ ﷺ سے "مکہ" واپس جانے کی اجازت چاہی' آپ نے اجازت مرحمت فرمادی' مکہ میں سکونت پذیر رہے' اور وہاں سودی کاروبار فتح مکہ تک کرتے رہے حالانکہ سود کی حرمت اس سے قبل آچکی تھی۔

استدلال نمبر ۲: لاتاکلو الربوا اضعافاً مضاعفة (سود نہ کھاؤ' دو چند سہ چند' آیت کریمہ غزوہ احد کے زمانہ میں اتری تھی اور مکہ اس کے کئی سال بعد فتح ہوا' فتح مکہ کے زمانہ میں آپ نے حضرت عباس﷛ کے پچھلے سارے معاملات کو باطل قرار نہیں دیا۔ سوائے ان معاملات کے جن میں ابھی تک قبضہ نہیں ہوا تھا اس سے معلوم ہوا کہ حربی اور مسلم کے درمیان سودی معاملہ ہو سکتا ہے۔ (شرح السیر الکبیر ص ۲۲۶ ج ۳)

استدلال نمبر ۳

ولو كان المسلم فی منعت المسلمین فكلم الحربی من حصنه وعامله بهذه المعاملات الفاسده فیما بین المسلمین فان ذالك لا یجوز' وقد بینا ان كثیرا من مشائخنا یقولون بالجواز هاهنا لان مال الحربی مباح فی حق المسلم (..)

اگر کوئی مسلمان اہل اسلام کے لشکر میں ہو' حربی نے اپنے قلعہ سے مسلمان سے گفتگو کی اور معاملات فاسدہ میں سے کوئی معاملہ کرلیا' تو یہ امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں۔ البتہ ہم پہلے بتلاچکے ہیں کہ ہمارے اکثر مشائخ اس مسئلہ میں بھی جواز کے قائل ہیں۔ کیونکہ حربی کا مال مسلمان کے حق میں (جب کہ اس میں دھوکہ فریب نہ ہو) مباح ہے۔

مسئلہ: دارالحرب سے دارالاسلام کی اگر صلح ہوجائے تب بھی اس قسم کے معاملات کی اجازت ہے۔

دارالحرب والوں نے دارالسلام والوں سے اگر صلح کر رکھی ہو اس زمانہ میں

دارالاسلام کا باشندہ ان کے یہاں گیا اور ایک درہم کو دو کے عوض بیچ دیا۔ تو اس میں حرج نہیں ہے کیونکہ اس صلح سے دارالحرب دارالاسلام نہیں بن جاتا۔ مسلمانوں کے لئے تو دارالحرب والوں کا مال ان کی خوشی اور رضامندی کے بغیر لینا حرام ہے کیونکہ اس میں "غذر" (دھوکہ فریب) پایا جاتا ہے۔ لیکن جب انہوں نے خوشی اور رضامندی سے یہ معاملہ کیا ہے تو دھوکہ فریب کے معنی معدوم ہو گئے اور ان سے لیا ہوا مال مباح ہو گیا۔ (شرح السیر الکبیر ص ۲۲۸ ج ۳)

حنفی مع مالکی: دارالحرب میں "عقود فاسدہ" کے جواز کا مسئلہ صرف امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہی نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے بلکہ امام مالکؒ بھی اس کے جواز کے قائل ہیں البتہ امام موصوف کے نزدیک ایک شرط ہے وہ یہ کہ دارالاسلام سے دارالحرب کی صلح نہ ہو۔

سئل الامام مالكؒ هل بين المسلم اذ ادخل دارالحرب و بين الحربى ربوا فقال الامام هل بينكم وبينهم هدنه؟ قالوا لاء فقال مالك فلا باس فى ذلك

(المدونۃ الکبریٰ ۲۸۱)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ مسلم اگر دارالحرب میں داخل ہو تو وہاں کے لوگوں سے سود لے سکتا ہے؟ امام مالکؒ نے دریافت کیا کہ کیا تم میں اور ان میں صلح ہے؟ کہا گیا نہیں تو آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔

علامہ شامی کے فتوے میں بھی حربیوں سے اس قسم کے معاملات کی اجازت عام لکھی ہے۔

بیمہ دو خرابیوں کی زد میں

بیمہ میں ربوا و قمار ہے اور ربوا اور قمار بنص قرآن حکیم حرام ہیں۔ اور ان دونوں پر سخت وعیدیں آئی ہیں اس لئے اس قسم کے معاملات سے احتراز کرنا ضروری ہے،

انتہائی ضرورت و مجبوری کی حالت میں اس طرح کی گنجائش سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے' اس موقعہ پر ایک غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے' لہذا اس کے ازالہ کے لئے ہم مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی عبارت نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ حوالہ (اسلامی معاشیات)

اسی مسئلہ کی بنیاد پر ایک اور معاشی سوال پیدا ہو گیا۔

یعنی

غیر اسلامی حکومت کسی غیر مسلم باشندہ کا روپیہ کسی ایسے ذریعہ سے جو اسلامی قانون کی رو سے لین دین کا قانونی اور شرعی ذریعہ نہیں ہے مثلاً ربوا یا قمار ازیں قبیل کے کسی اور غیر شرعی ذریعہ سے کسی مسلمان کے قبضہ میں آجائے تو کیا قانوناً یہ مسلمان اس کا مالک ہو سکتا ہے یا نہیں چونکہ یہ ایک جائز اور مباح مال پر قبضہ ہے اور مباح و جائز مال کے مملوک ہونے کے لئے صرف قبضہ کافی ہے۔ مثلاً جنگل کے کسی پرندے کا شکار کر کے قبضہ کر لینا اس پرندے کا مالک ہونے کے لئے کافی ہے۔ اسی لئے امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ اس قسم کے اموال کا مسلمان قانونی طور پر مالک بن جاتا ہے اور یہی ان کا وہ مشہور نقطہ نظر ہے جس کی وجہ سے حنفی فقہ کی عام کتابوں میں لاربوا بین الحوبی والمسلم (الحربی غیر مسلم اسلامی حکومت کا باشندہ اور المسلم اسلامی حکومت کا باشندہ کے درمیان ربوا سود نہیں ہے) کا ذکر پایا جاتا ہے گویا یہ بین الاقوامی قانون کی ایک دفعہ ہے۔ عوام چونکہ اس کے اصل منشاء سے واقف نہیں ہیں۔ اس لئے ان کو حیرت ہوتی ہے۔ کہ ربوا (سود) جب اسلام میں حرام ہے تو ہر جگہ اور ہر شخص سے لینا حرام ہونا چاہئے۔ حربی یعنی غیر اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ اس کے جائز ہونے کے کیا معنی؟ مگر سچی بات یہ ہے کہ حربی کے ساتھ یہ معاملہ ربوا کا معاملہ ہی نہیں ہے۔ بلکہ ایک کو قبضہ میں لے کر اسے ملک بنانا ہے۔ اسی طرح یہ مسئلہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شرعی غلام اور آقا کے درمیان بھی اگر

ربوا کا معاملہ کیا جائے تو وہ بھی "ربوا" نہ ہوگا۔ ظاہراً اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ باوجود ربوا اور سود ہونے کے امام نے اس کو حرمت سے مستثنیٰ کیا ہے۔ بھلا! ایک مجتہد کو اس کا حق کیا ہے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ قانوناً غلام کا مال آقا ہی کا مال ہے۔

(اسلامی معاشیات ص ۱۸)

مثلاً شرعی غلام اور آقا اگر کوئی سودی معاملہ کریں تو اس کو سود نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ ملک غلام اور آقا کی واحد ہے' اسی طرح اگر ایک شخص اپنی آمدنی کو مختلف مدوں میں تقسیم کر کے الگ الگ رکھ لے پھر ایک مد کے لئے دوسری مد سے قرض لے اور اس میں کچھ رقم بطور سود لگالے تو وہ سود نہیں کہلائے گا۔ علاوہ ازیں جن دو شخصوں کے درمیان شرکت کا معاملہ ہوا اور وہ اس مال مشترک میں آپس میں کوئی سودی معاملہ کرلیں تو وہ بھی سود نہیں ہوگا۔ شرکت کی وجہ سے دونوں کی "ملک" ایک سمجھی جائے گی۔

حق ملک کی صورت میں سود ہوگا مثلاً میاں بیوی جب کہ دونوں کی املاک علیحدہ ہوں' اگر آپس میں کوئی سودی لین دین کریں تو حرام اور ناجائز متصور ہوگا حالانکہ بیوی کو اپنے شوہر کے مال میں بقدر نفقہ حق ملک ہوتا ہے علی ہذا القیاس باپ اور بیٹا اگر آپس میں ربوا کا معاملہ کریں تو اس پر حرام ہونے کا حکم لگایا جائے گا اور یہ کہنا کہ بیٹے کے مال میں باپ کا حق ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے انت ومالك لابيك(۱) اس معاملہ کو ربوا کے حکم سے خارج نہیں کر سکتا۔

(۱) تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا

ملک العلماء "ربوا" جاری ہونے کی شرائط کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

وما منها ان لايكون البدلان ملكا لاحد المتبايعين فانه لايجرى الرباء على هذا يخرج العبد لماذون اذا باع مولاه درهما بدرهمين وليس عليه دين انه يجوز لانه اذا لم يكم عليه دينا فما فى يده لمولاه فكان البدلان ملك المولى فلا

يكون هذا بيعا فلا يتحقق الرباء اذهو يختص بالبيعات وكذلك المتفاد ضان اداتبا بعادر هما بدر تهمين يجوز لان البدل من كل واحد منهما مشترك بينهما فكان مبالته ماله بماله فلايكون بيعا ولا مبادله حقيقه (بدائع الصنائع ص ۱۹۳ ج ۵)

بدلیں اگر معاملہ کرنے والوں کے ملک نہ ہوں تو سود جاری نہیں ہوگا۔ مثلاً عبد ماذون (۲) اگر اپنے آقا کو ایک درہم کے عوض میں دو درہم بیچ دے اور غلام پر کسی کا دین نہ ہو تو یہ معاملہ جائز ہے کیونکہ دین نہ ہونے کی صورت میں غلام کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کے آقا کی ملک ہے لہذا بدلین آقا کی ملک ہیں۔ اس لئے یہ بیع ہی نہیں ہوئی۔ لہذا ربوا بھی نہیں ہوگا کیونکہ ربوا بیع کے ساتھ خاص ہے اسی طرح دو شریک جب اس طرح کا معاملہ کریں تو وہ بھی جائز ہے کیونکہ بدل مشترک ہے اس لئے یہاں حقیقتاً بیع ہی نہیں ہوئی۔

حقیقت ملک اور حق ملک کا فرق ایک اور مسئلہ سے بھی واضح ہوگا' مسئلہ یہ ہے کہ بائع (فروخت کرنے والا) جب خریدنے والے سے کہے کہ میں نے تیرے ہاتھ مال فروخت کردیا۔ اس کو "ایجاب" کہا جاتا ہے' ایجاب کے بعد خریدنے والے کو حق ہوتا ہے کہ وہ اس معاملہ کو قبول کرے یا نہ کرے بائع کے ایجاب کے بعد خریدنے والے کو قبول کرنے کا حق معاملہ کی مجلس تک باقی رہتا ہے لیکن اگر بائع کے ایجاب کرنے کے بعد جب کہ مشتری نے قبول نہ کیا ہو اپنے "ایجاب" سے رجوع کرلے تو وہ رجوع کرسکتا ہے' اس صورت میں مشتری کا حق قبول سوخت ہوجائے گا۔ اس پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ مشتری کو جب مجلس کے اختتام تک حق قبول حاصل ہے تو بائع کو "ایجاب" سے رجوع نہیں کرنا چاہئے۔ اس اعتراض کا جواب صاحب عنایہ اس طرح دیتے ہیں کہ مشتری کو تو "حق ملک" حاصل ہے لیکن بائع کو "حقیقت ملک" حاصل ہے۔ اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے "حقیقت ملک" اعلیٰ ہے اور "حق ملک" ادنیٰ لہذا اعلیٰ ادنیٰ کو سوخت کردے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

فالجواب ان الا یجاب اذا لم یکن مفید اللحکم وهو الملك كان الملك حقیقته للبائع وحق التملك للمشتری وهو لایمنع الحقیقه لکونها اقوی من الحق لا محالته۔

اس کا جواب یہ ہے کہ محض ایجاب سے جبکہ حکم یعنے ملک حاصل نہیں ہوتی تا کہ حقیقت کے لحاظ سے بائع کی ہے اور ”حق ملک مشتری کا حق ملک“ ملک کو منع نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ حق سے قوی تر ہے۔

فرض کیجئے بیمہ کا کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہے، ایک شخص بیمہ پالیسی خریدتا ہے اور میعاد میں اصل مع سود کے وصول کرتا ہے لیکن سود کی رقم بصورت ٹیکس یا چندہ خود حکومت کو دے دیتا ہے۔ سود کا لینا ”حرام“ ہے اس لئے اس کو لے کر پھر واپس کردیتا ہے اس ”حرام“ کو حلال نہیں کرسکتا۔

بیمہ دار اگر سود کی رقم بغیر نیت ثواب کسی دوسرے شخص کو امداد کے طور پر دے دیتا ہے تو اس صورت میں انشورنس کا معاملہ کیا جائز ہوگا۔

اس صورت میں بھی انشورنس کے کاروبار کی اجازت نہیں ہے الا یہ کہ ناواقفیت کی بناء پر اگر انشورنس کا معاملہ کرے اور اس سے رقم سود وصول ہو جائے تو یہی طریقہ ہے کہ کسی شخص کو بلانیت ثواب امداد کے طور پر دے دے۔

۱۳۔ اگر انشورنس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو کیا مصالح و حاجات مذکورہ کو سامنے رکھ کر اس کا کوئی بدل ہو سکتا ہے جس میں مصالح مذکورہ موجود ہوں۔ اور اس پر عمل کرنے سے ارتکاب معصیت لازم نہ آئے اگر ہو سکتا ہے تو کیا انشورنس کی مروجہ شکل میں کوئی ایسی ترمیم ہو سکتی ہے جو اسے معصیت سے خارج کردے اور مصالح مذکورہ کو فوت نہ کرے اگر ہو سکتی ہے تو کیا ہے۔

الف۔ اس کا بدل پچھلے صفحات میں ہم بتلا چکے ہیں۔

ب۔ جب تک کہ ربوا اور قمار موجود ہیں معصیت کی دائرہ سے خارج نہیں ہو سکتا۔

بیمہ کمپنی کے سبز باغات

جو لوگ سود کی لعنت سے ڈرتے تھے انہیں کمپنی نے دھوکہ اور فریب سے علماء کرام کے فتاویٰ سے مطمئن کر دیا حالانکہ وہ اکثر کو تو فتاویٰ کہنا بھی فتویٰ کے تقدس کو پامال کرنا ہے اگر بعض صاحبان کے فتاویٰ تھے تو انہیں غلط رنگ دیا گیا یا توڑ مروڑ کی گئی دھوکہ سے دولت سمیٹنا کسی بھی قوم کے نزدیک اچھا نہیں لیکن ان لوگوں کو کون سمجھائے کہ علماء کرام کو بدنام کرنے سے تمہارا کام بنتا ہے تو بناؤ لیکن خدا کے عذاب سے بچ کر نکلنا آسان نہیں۔ جب لوگ مطمئن ہو گئے کہ بیمہ سود وغیرہ نہیں تو پھر ذیل کے سبز باغات سے عوام کو پھنسایا چنانچہ فرماتے ہیں۔

بیمہ کے دینوی فوائد:- ناگہانی حوادثات کی صورت میں بیمہ دار تباہی و بربادی سے بچ جاتا ہے۔ مثلاً

(۱) عام فسادات میں بہت سے مسلمانوں کے کارخانے خاک سیاہ اور تباہ و برباد کر دیئے جاتے ہیں جن لوگوں نے اپنے کارخانوں کا بیمہ کرالیا۔ وہ تباہی سے بچ گئے اور انہوں نے دوبارہ اپنا کاروبار جاری کر دیا۔ لیکن جنہوں نے بیمہ نہیں کرایا وہ پورے طور پر برباد ہو گئے۔ پنپ نہ سکے' دوکانوں اور مکانوں وغیرہ کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔

(۲) فسادات ہر ملک میں عوام کا ہر روز کا معمول بن چکے اور ان کا انسداد مسلمانوں کی استطاعت سے باہر ہے۔ اور یہ نقصانات بیمہ کے ذریعے سے باآسانی پورے کئے جاسکتے ہیں۔

(۳) اوسط طبقہ کے افراد جو کثیر العیال بھی ہوں' اگر ناگہانی طریقہ سے وفات پاجائیں تو ان کے پسماندگان سخت پریشانی میں پڑتے ہیں۔ اپنی قلیل آمدنی میں عموماً وہ کوئی رقم پس انداز کر کے نہیں رکھ سکتے جو ان کے پسماندگان کے کام آسکے۔ ایسی حالت میں اگر وہ بیمہ پالیسی خرید لیں تو ایک طرف تو نہیں پس اندازی میں سہولت ہوتی

ہے۔ دوسرے ان کی ناگہانی وفات پر ان کی پس انداز رقم مع مزید رقم کے ان کے پسماندگان کو مل جاتی ہے جو ان کے لئے بہت مفید اور معاون ہوتی ہے۔

(۴) تعلیم وغیرہ کی صورت میں تو یہ مصلحت اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے اس لئے اگر وہ اپنی اولاد کو مناسب تعلیم دلانے سے قبل وفات پا جائیں تو اولاد کا سلسلہ تعلیم منقطع نہیں ہوتا اور کسی نہ کسی دن اولاد اس قابل ہو جاتی ہے کہ کچھ کما سکے۔

(۵) اگر اولاد نالائق ہو باپ کے مرنے کے بعد ماں کی طرف سے غفلت برتتی ہے اور اس کا شرعی حق نظر انداز کر کے باپ کی کل جائداد و املاک پر قابض ہو جاتی ہے اس صورت میں اگر شوہر بیمہ کی پالیسی خرید کو اپنی بیوی کو اس کا وارث قرار دیدے تو یہ رقم بیوہ کو بلا تکلیف مل جاتی ہے۔

(۶) اگر اولاد کے درمیان بغض عداوت ہو۔ یا بعض بچے چھوٹے ہوں۔ اولاد سے خطرہ ہو کہ حقوق کو غصب کر لیں گے۔ تو بھی ان کے نام سے بیمہ پالیسی خرید لینا مفید ہے۔

لطیفہ :- بیمہ کمپنی کے ہاں جو فتاویٰ کا مجموعہ ہے اس میں کمپنی کے مفتیوں نے اسی طرح کے فوائد و منافع ذکر فرمائے ہیں ان فتاویٰ میں یہ نہیں ثابت کیا گیا کہ بیمہ کی شرعی حیثیت کیا ہے جائز ہے تو کونسی قرآنی دلیل یا احادیث مبارکہ یا فقہائے کرام کے اقوال سے اس کا نام فتویٰ ہے تو پھر فتویٰ اسلام کا خدا حافظ۔

(۱) اب سے دو چار صدی بیشتر مسلمانوں کے حالات مختلف تھے اول تو ناگہانی حادثات کی اتنی کثرت نہیں تھی جو آج مشین کے رواج کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے دوسرے بکثرت مسلمان اسلامی حکومتوں میں رہتے تھے جہاں بیت المال بڑی حد تک ان حوادث کے نتائج سے پناہ دیتا تھا۔ تیسرے مصارف زندگی کا اتنا بوجھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ چوتھے آپس کی ہمدردی کا جذبہ اتنا سرد نہیں ہوا تھا۔ جتنا آج ہو گیا ہے۔ پانچویں تعداد کی قلت اور قوم کی بحیثیت مجموعی دولت مندی زکوٰۃ و صدقات کا رواج

یہ سب امور مل کر اس قسم کے نقصانات کی تلافی کر دیا کرتے تھے۔ اب ان سب چیزوں کا تقریباً فقدان ہے۔ آبادی میں اضافہ مزید پریشانی کا باعث ہے۔ سو میں ایک تباہ حالی دور کرنا۔ آسان ہے مگر سو میں ۲۵ کے ساتھ مواسات کرنا بہت مشکل ہے۔

شیخ سعدی پیغمبرؒ (معاذ اللہ)

کہتے ہیں "صاحب الغرض مجنون" اہل غرض مجنون ہوتا ہے بیمہ کمپنی نے علماء کرام کے ساتھ صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ساتھ ملاتے کی کوشش کی ہے سرتاج صوفیہ سیدنا مصلح الدین شیخ سعدی شیرازی کو بھی بیمہ کمپنی میں شامل کر کے ان کی تعریف میں انہیں اشعار کا پیغمبر بنادیا ایک قطعہ ملاحظہ ہوں۔

در شعر سہ تن پیمبر اند
ہر چلد کہ لانبی بعدی
اوصاف و قصیدہ و غزل راہ
فردوسی انوری و سعدی

یعنی رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان کے باوجود کہ ہمارے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ شعر و شاعری کی دنیا میں تین اشخاص کو پیغمبر سمجھا جاتا ہے یعنی فردوسی، انوری، سعدی

تبصرہ اویسی غفرلہ :- ہم کمپنی کے کارندوں سے کہاں تک سر دردی کریں کہ نبی علیہ السلام کے بعد جزوی طریق سے کسی کو پیغمبر ماننا غلام احمد قادیانی کے ساتھ تعلق جوڑنے والی بات تو نہیں۔ یہ لوگ بھی سچے ہیں دیوبندی وہابی فرقہ نے ثابت کر دکھلایا کہ حضور علیہ السلام کو شعر و شاعری کا علم نہ تھا۔ نبوت سے یہ سیٹ خالی پاکر کمپنی نے تین پیغمبر بٹھادئے لاحول ولاقوۃ الا باللہ

اتنا بلند مرتبہ جتلا کر بیمہ کمپنی نے لکھا کہ اس واسطے شیخ سعدی کا یہ فرمان بھی فتویٰ کا حکم رکھتا ہے وھو ہذا۔

فضول خرچی

کون نہیں جانتا کہ بہمہ کا مقصد اولین "اسرافِ بجا" کے خلاف جہاد کرنا اور عامۃ الناس کو کفایت شعاری سکھانا ہے اسراف بے جا کے متعلق حضرت شیخ سعدی صاحب فرماتے ہیں۔

ابلہے کو روز روشن شمع کافوری نہد
زود باشد کش بشب روغن نباشد در چراغ

جو احمق شخص دن کے وقت فور کا دیا جلاتا ہے جلدی ایسا ہوتا ہے کہ رات کے وقت کے لئے اس کے چراغ میں تیل نہیں رہتا یعنی وہ شخص اپنے اچھے ایام میں آنے والے تاریک ایام سے بے پروا ہو کر فضول خرچی اور اسراف بے جا کو اپنا شعار بنا لیتا ہے اور تاریک ایام کیلئے پس انداز کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ جب تاریک ایام آتے ہیں۔ تو ایسے شخص کو ناداری اور مفلسی کے ہاتھوں نالان ہونا پڑتا ہے۔ یقیناً اس شعر کے اندر بہمہ زندگی کی لطیف صورت موجود ہے کیوں کہ بہمہ زندگی انسان میں کفائت شعاری کی عادت ڈالنے کا مؤثر ترین وسیلہ ہے۔ مزید بر آں آپ نے فرمایا ہے۔ ؎

بہ بیس آں بے حمیت راکہ ہرگز — تن آسائی گزیند خویشتن را
نہ خواہد دید روئے نیک بختی — زن و فرزند بجزا رو بہ سختی

اس کا اردو ترجمہ از اڈیٹر: ؎

خود گزارے عیش و عشرت میں جو اپنی زندگی — استراحت سے کرے غفلت زن و فرزند کی
لعنت ایسے بے حمیت بے حیا انسان پر — نیک بختی اسکے حصے میں نہ آئیگی کبھی

اس کا پنجابی ترجمہ از اڈیٹر: ؎

آپ کرے جو عیش و عشرت — بیوی بچے تھیں ورتے غفلت
بد بختی دا رہوے شکار — ایسے تائیں رب دی مار

بیمہ کمپنی کے کارندوں سے آخری گذارش

پاکستان میں بیمہ کا کاروبار کرنے والے حضرات عموماً مسلمان ہیں خدا کے لئے اس چند روزہ کاروبار پر آخرت کو قربان نہ کریں۔ حرام معاملات پر حلال کا لیبل لگانے کے بجائے اس کی فکر کریں کہ امداد باہمی کی شرعی اور جائز صورت کو اختیار کریں جو رسالہ ہذا میں لکھ دی گئی ہے اور جو رقمیں لوگوں کی جمع ہوتی ہیں ان کو تجارت پر لگاکر سود کے بجائے تجارتی نفع تقسیم کریں، جو سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے اور پوری قوم کے لئے نفع بخش جائز و حلال معاملہ ہے اور اگر خدانخواستہ وہ خود حلال و حرام سے بے نیاز ہو کر چند روزہ مال و دولت کمانے کو اپنا مقصد بنا ہی چکے ہیں۔ تو کم از کم اکابر علماء اور اہل فتویٰ پر اپنی رائے تھوپنے اور ان پر تہمت لگانے سے تو پرہیز کریں کہ یہ تحریف دین کا دوسرا گناہ ہے جس کی اس کاروبار میں کوئی ضرورت بھی نہیں۔

بیمہ کے دنیاوی نقصانات :- کمپنی نے جتنے بیمہ کے فوائد و منافع بیان کئے ہیں اس سے بڑھ کر اور بھی بتائے تو بھی انکار نہیں جس کسی شے کا نفع اُس کے ضرر کو دفع نہیں کر سکتا لیکن یہ تو مظہر ہے کہ زہر میں منافع بھی ہیں لیکن اس کا ضرر آخر ضرر ہی مسلم رہے گا بیمہ کے کڑوروں وہی منافع مسلم لیکن جب یہ سود (ربوا) ہے تو اس کا گناہ اور اس پر عذاب کہاں اٹھا کر لے جاؤ گے نام بدل دینا اس کی اصلیت کو نہیں مٹا سکے۔ کمپنی یا اس کے مؤیدین کتنا ہی زور لگائیں ان کی بیان کردہ شرائط پر بیمہ سود (ربو) ہی ہے شراب بالآخر شراب ہے اس کا نام شربت یا کوئی اور نام تجویز کیا جائے اصلیت کے لحاظ سے وہ شراب ہے۔ بیمہ 'انشورنس' سود (ربو) یہ اور بس (انشاء اللہ تعالیٰ) فقیر آگے چل کر دلائل سے ثابت کرے گا کہ یہ بیمہ انشورنس سود ہے اور سو فیصد سود ہے۔ مسلمان کے لئے سب سے بڑھ کر اس سے اور کونسا ضرر ہو گا اس کے باوجود تجربہ شاہد ہے اور کچھ دور حاضرہ کا تقاضا بھی ہے کہ بیمہ سے دنیاوی

نقصانات کے علاوہ دینی مضرات بھی اس میں مضمر ہیں۔ (اس کی تفصیل آئے گی یہاں دینوی مضرات ملاحظہ ہوں)

۱ ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں کہ کسی وارث نے بیمہ کی رقم وصول کرنے کے لئے مورث کو (جو بیمہ دار تھا) قتل کرادیا۔

موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا قتل اس کا شاہد ہے۔ قرآن پاک اس کا گواہ ہے۔

۲ اِس قسم کے واقعات بھی پیش آتے ہیں کہ بیمہ دار نے دھوکہ دیکر اپنی دکان یا اپنے مکان یا کسی اور چیز کی مالیت زیادہ ظاہر کردی اور اُس کا بیمہ کرادیا۔

اور کچھ عرصہ بعد سود کی رقم (جو اس کی مملوکہ شے کی مالیت سے معتد بہ حد تک زائد تھی) وصول کرنے کیلئے اس شے کو مخفی طریقہ سے خود تلف کردیا۔ مثلاً آگ۔ لگادی یا اور اسی قسم کی حرکت کی اور اس طرح نقصان کی تلافی کے ساتھ مزید نفع بھی اٹھایا اس قسم کے واقعات آج کل عوام نہیں بلکہ بہت سے پڑھے لکھے لوگوں کا معمول بن چکے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے طریقوں سے بڑی سختی سے روکا ہے چنانچہ فرمایا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل اے ایمان والو باطل طریقے سے ایک دوسرے کے مال نہ کھاؤ۔

۳ تجربات شاہد ہیں کہ جو دولت بے مشقت اور بے محنت ہاتھ آجاتی ہے آدمی اسے بہت بیدردی کے ساتھ خرچ کرتا ہے' نوجوان اولاد کو اگر باپ کے بعد بیمہ کی رقم بغیر محنت و کوشش ملے گی تو ظن غالب یہی ہے کہ وہ اسے بیدریغ صرف کرے گی' اسراف و تبذیر کی عادت فی نفسہ مذموم ہونے کے علاوہ افلاس و تباہی کا پیش خیمہ ہے جو اخلاقی خرابیاں ایسی صورت میں پیدا ہوئی ہیں ان کی تفصیل بے ضرورت ہے۔

۴ یہ بات نہایت واضح ہے کہ بیمہ پالیسی کی خریداری میں سرمایہ دار طبقہ ہی پیش ہوسکتا ہے سود کی رقم اس کی دولت میں روز اضافہ کرے گی اس کا نتیجہ یہ ہوگا

کہ سرمایہ داری کے غلط نظام کو مزید ترقی ہو گی۔

(لطیفہ) جس نظام سے یہ حضرات رونا روتے ہیں اسے مختلف طریقوں سے نہ صرف رائج کررہے ہیں بلکہ اپنی تمام تر طاقت اسی پر خرچ کررہے ہیں عملاً یا لاشعوری کسی میں (واللہ اعلم)

حقیقت بیمہ :- اسلام نے کونسا شعبہ تشنہ تکمیل چھوڑا ہے الحمدللہ اسلام نے زندگی ہر شعبے کے ٹھوس اصول اور ضابطے عطا فرمائے ہیں۔

اس بیمہ (انشورنس) کا رواج دنیا میں عام ہو چکا ہے۔ اس کی ابتدا بھی کسی زمانہ میں مسلمانوں کی امداد باہمی کے اصول پر ہوئی تھی۔ اب وہ رفتہ رفتہ ایک کاروبار بن گیا ہے۔ جس کی بنیاد دشمنان نے سود و قمار (جوئے) پر رکھ دی ہے۔ جس کا اسلام میں حرام ہونا ہر مسلمان جانتا ہے مگر اس کاروبار والوں نے اس کو امداد باہمی کا نام دے کر عوام کے لئے بلکہ حقیقت سے ناواقف اہل اسلام کے لئے ایک مغالطہ بنا رکھا ہے۔ اس سے عوام مسلمان سمجھتے ہیں کہ علماء بیمہ کے مخالف ہیں۔ ہم بیمہ کے مخالف نہیں اس کے طریقہ کار کے مخالف ہیں۔

بیمہ کا لغوی اور عرفی معنی

بیمہ انگریزی لفظ انشور (INSURE) کا ترجمہ ہے جس کے معنی لغت میں یقین دہانی کے ہیں۔ چونکہ کمپنی بیمہ کرانے والے کو مستقبل کے بعض خطرات سے حفاظت اور بعض نقصانات کی تلافی کی یقین دہانی کر دیتی ہے۔ اس لئے اسے انشورنس کمپنی کہتے ہیں اور دور حاضرہ کے غرض میں یہ ایک معاملہ ہے جو بیمہ کے طالب اور بیمہ کمپنی کے درمیان ہوتا ہے اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی جس میں بہت سے سرمایہ دار شریک ہوتے ہیں اسی طرح جس طرح تجارتی کمپنیاں ہوتی ہیں۔

ا۔ بیمہ کرنے والے سے ایک معینہ رقم بالاقسط وصول کرتی رہتی ہے اور ایک معینہ

مدت کے بعد وہ رقم اسے یا اس کے پس ماندگان کو (حسب شرائط) واپس کر دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک ساتھ ایک مقررہ شرح فیصد کے حساب سے اصل رقم کے ساتھ کچھ مزید رقم بطور سود دیتی ہے۔ اس رقم کا نام ان کی اصطلاح میں ربوا یا سود نہیں بلکہ بونس یعنے منافی ہے۔ (یہاں سے ہمارا ان کے ساتھ اختلاف شروع ہوتا ہے)

۲ کمپنی کا مقصد اس رقم کے جمع کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ اسے دوسرے لوگوں کو بطور قرض دے کر ان سے اعلیٰ شرح پر سود حاصل کرے یا کسی تجارت میں لگا کر یا کوئی جائداد خرید کر اس سے منافع حاصل کرے اس کے شرکاء اپنی ذاتی رقم خرچ کئے بغیر کثیر رقم بصورت سود یا منافع حاصل کرتے ہیں' اور اسی سود یا منافع میں سے بیمہ دار کو ایک حصہ دیتے ہیں۔

ممکن ہے کسی درجہ میں ان لوگوں کا مقصد مصیبت زدہ یا پریشان حال افراد کی امداد بھی ہو' لیکن اصل مقصد وہی ہوتا ہے جو اوپر عرض کیا گیا مگر اس کی بحث بے ضرورت ہے اس لئے کہ اس کا کوئی اثر نفس مسئلہ پر نہیں پڑتا ہے۔ بیمہ کرانے والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا سرمایہ محفوظ رہے اور اس میں اضافہ بھی ہو اس کے علاوہ اس کے پس ماندگان کو امداد و اعانت حاصل ہو یا ناگہانی حادثات کی صورت میں اس کے نقصان کی تلافی ہو جائے۔ اور یہ اس کے لئے عین مراد ہے کہ گھر بیٹھے ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے مفت مل جائے اور بلا تکلیف اسے اس سے کیا غرض کہ طریقہ حلال ہے یا حرام اگر کوئی مسلمان حرام و حلال کے چکر میں بھی پڑتا ہے تو کمپنی دھوکہ اور فریب سے مطمئن کرا دیتی ہے کہ یہ کاروبار خالص اسلامی ہے نہ سود ہے نہ جوا وغیرہ۔

۳ بیمہ کی تین قسمیں ہیں۔

(الف) زندگی کا بیمہ (ب) املاک کا بیمہ (ج) ذمہ داری کا بیمہ

الف۔ زندگی کا بیمہ : اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی اپنے ڈاکٹر کے ذریعہ سے بیمہ کے طالب کا معائنہ کراتی ہے اور ڈاکٹر اس کی جسمانی حالت دیکھ کر اندازہ کرتا ہے کہ اگر کوئی ناگہانی آفت پیش نہ آئی تو یہ شخص اتنے سال مثلاً بیس سال زندہ رہ سکتا ہے۔ ڈاکٹر کی رپورٹ پر کمپنی بیس سال کیلئے اس کی زندگی کا بیمہ کر لیتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بیمہ کے لئے ایک رقم مابین طالب و کمپنی مقرر ہو جاتی ہے جو بالاقساط بیمہ دار کمپنی کو ادا کرتا ہے اور ایک معینہ مدت میں جب وہ پوری رقم ادا کر دیتا ہے۔ تو بیمہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد اگر بیمہ دار اتنی مدت کے بعد انتقال کر جاتا ہے۔ جس کا اندازہ کمپنی کے ڈاکٹر نے کیا تھا تو کمپنی اس کے پسماندگان میں سے جسے وہ نامزد کر دے یا اگر نامزد نہ کرے تو اس کے قانونی ورثاء کو وہ جمع شدہ رقم مع کچھ مزید کے جس کو بونس (Bonus) کہتے ہیں یکمشت ادا کر دیتی ہے۔

اور اگر وہ مدت مذکورہ سے پہلے مر جائے خواہ طبعی موت سے یا کسی حادثہ وغیرہ سے تو بھی کمپنی اس کے پس ماندگان کو حسب تفصیل مذکور پوری رقم مع کچھ زائد رقم کے ادا کرتی ہے مگر اس صورت میں شرح منافع زائد ہوتی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ شخص مدت مذکورہ کے بعد بھی زندہ رہے اس شکل میں بھی اسے رقم مع منافع واپس ملتی ہے۔ مگر شرح منافع کم ہوتی ہے' زندگی کا بیمہ تو پورے جسم کا بیمہ ہوتا ہے۔ لیکن اب انفرادی طور پر مختلف اعضاء کے بیمہ کا رواج بھی بکثرت ہو گیا ہے۔ مثلاً ہاتھوں کا بیمہ' سر کا بیمہ' ٹانگوں کا بیمہ وغیرہ اس کی شکل بھی وہی ہوتی ہے۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ ان شکلوں میں ڈاکٹر کسی ایک عضو کی زندگی یا کارکردگی کا اندازہ لگاتا ہے اس کے اندازہ پر بقیہ معاملہ اسی طرح ہوتا ہے۔ جس طرح زندگی کے بیمہ کی صورت میں اور واپسی رقم مع منافع کی شکلیں وہی تین ہیں۔ البتہ یہاں پورے جسم کی مدت کے قائم مقام صرف ایک حصہ جسم کی مدت یا

اس کے ناکارہ کرنے کو قرار دیا ہے۔

(ب) املاک کا بیمہ :- عمارت' کارخانہ' موٹر' جہاز وغیرہ ہر چیز کے بیمے کا رواج اب ہو گیا ہے۔ اس کی شکل بھی وہی ہوتی ہے' یعنی بیمہ دار ایک معینہ مدت کے لئے ایک رقم بالا قساط ادا کرتا ہے۔ اور کمپنی ایک معینہ مدت کے بعد اسے وہ رقم مع کچھ زائد رقم کے واپس کرتی ہے اور اگر کسی حادثہ کی وجہ سے بیمہ شدہ املاک تلف ہو جائے' مثلاً کارخانہ میں یکایک آگ لگ جائے یا جہاز غرق ہو جائے یا موٹر کسی حادثہ میں ٹوٹ جائے تو کمپنی اس نقصان کی تلافی کرتی ہے اور اصل رقم کے ساتھ کچھ مزید رقم زیادہ شرح فیصد کے حساب سے بیمہ کرانے والے کو دیتی ہے۔

(ج) ذمہ داریوں کا بیمہ :- اس میں بچہ کی تعلیم' شادی وغیرہ کا بیمہ ہوتا ہے کمپنی ان کاموں کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ رقم وغیرہ کی ادائیگی اور وصولی کی صورتیں وہی ہوتی ہیں۔

۴ بیمہ کرانے والے کو ایک معینہ رقم بصورت اقساط ادا کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اگر چند ماہ (حسب قواعد و شرائط) اقسام ادا کرنے کے بعد بیمہ دار رقم کی ادائیگی بند کردے تو اس کی ادا کی ہوئی رقم سوخت ہو جاتی ہے اور واپس نہیں ملتی۔ لیکن اسے اختیار ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے درمیان کے بقایا اقساط ادا کر کے حسب سابق اقساط جاری کرالے بقایا اقساط ادا کرنے کی صورت میں بھی بعض قواعد کے ماتحت اقساط کا سلسلہ دوبارہ جاری ہو سکتا ہے' لیکن اگر وہ سلسلہ منقطع کر کے جمع شدہ رقم واپس لینا چاہے تو ایسا نہیں کر سکتا۔

۵ بیمہ دار اگر سود نہ لینا چاہے تو کمپنی اسے اس پر مجبور نہیں کرتی اور حسب شرائط اس کو اصل رقم واپس کرتی ہے۔

۶ بیمہ دار دو سال تک قسط ادا کرنے کے بعد کم شرح سود پر قرض لینے کا ہو جاتا

ہے۔

فائدہ :- یہ امور کمپنی کی چھاپہ شدہ کاپی سے لئے گئے ہیں طالب دنیا یا عام انسان تو یہی چاہتا ہے کہ زندگی آرام سے گزرے بلا تکلف گھر بیٹھے مال و دولت کی تھیلیاں جمع ہوں وہ تمام کام کمپنی نے کر ڈالا اب مال لینے سے مسلمان کو سود مانع تھا اسے بھی کمپنی نے فتاوئی سے زائل کر دیا اسی لئے (مفت راچہ گفت) مفت کا مال کون چھوڑے۔ مولوی کون لگتا ہے روکنے والا۔ ہم اس مولوی کو نہیں مانتے ہم کمپنی کے مفتیوں کی مانتے ہیں۔

خلاصہ :- بیمہ کی یہ مختلف شکلیں ہیں۔ لیکن ان سب کی حیثیت وہی ہے جو سب سے پہلے عرض کی جاچکی ہے یہاں اختصار کیساتھ مکرر پیش کیا جاتا ہے۔

حقیقت کے لحاظ سے انشورنس کا معاملہ ایک سودی کاروبار سے جو بینک کے کاروبار کے مثل ہے دونوں میں جو فرق ہے وہ شکل کا ہے' حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے' حقیقت میں اگر فرق ہے تو صرف اتنا کہ اس میں ربوا کے ساتھ "غرر" بھی پایا جاتا ہے۔ (غرر کی تفصیل آتی ہے)

بیمہ کرانے والا کمپنی کو روپیہ قرض دیتا ہے اور کمپنی اس رقم سے سودی کاروبار تجارت وغیرہ کر کے نفع حاصل کرتی ہے اور اس نفع میں سے بیمہ کرانے والے کو بھی کچھ رقم بطور سود ادا کرتی ہے۔ جس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس منفعت کے لالچ میں زیادہ سے زیادہ بیمہ کرائیں' بینک بھی یہی کرتے ہیں البتہ اس میں شرح مختلف حالات و شرائط کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے بینک میں عموماً ایسا نہیں ہوتا۔

بیمہ زندگی کی شرعی حیثیت :- بیمہ زندگی میں شرعی حیثیتیں تین ہیں۔ اول سود دوسرا قمار تیسرا معاہدہ کی بعض شرائط فاسدہ۔ اس لئے بصورت موجودہ اس کے جواز کی کوئی وجہ نہیں (تفصیل آتی ہے انشاء اللہ)

بیمہ کے شرعی موانع :- (۱) بیمہ سے مسلمان کا سرمایہ محض جمع ہو کر رہ جاتا ہے جب کہ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ جائز طریقوں سے جو دولت کمائی جائے اس کو خرچ کیا جائے اور مستحقین کے حقوق ادا کئے جائیں ارشاد باری ہے۔ ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو الایہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں۔ فرمادو' ضرورت سے بچا ہوا وفی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم اور ان کے مالوں میں سائل اور نادار کا حق ہے۔

(۲) مال کو حلال وجائز اکتساب پر صرف کیا جائے۔ جائز کاروبار میں ایک شعبہ شراکت اور مضاربت کا ہوتا ہے۔ جس میں فریقین نفع و نقصان میں شامل اور شریک ہوں۔ لیکن انشورنس کمپنی کے پروگرام میں یہ چیز شامل ہے کہ بیمہ دار صرف منافع ہی میں شریک ہوگا۔ اگر کمپنی کو کتنا ہی خسارہ پڑجائے۔ اس سے طے شدہ کمیشن میں کوئی کمی نہ ہوگی جبکہ اسلامی نکتہ نظر سے فریقین بلا تعین منافع ہر دو پہلو (نفع و نقصان) میں شریک ہوتے ہیں۔

(۳) بیمہ کرانے والے کو ایک معینہ رقم بصورت اقساط ادا کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اگر چند ماہ حسب قواعد و شرائط ادا کرنے کے بعد بیمہ دار رقم کی ادائیگی بند کردے تو اس کی دی ہوئی رقم ناقابل واپسی ہو جاتی ہے یعنی اسے واپس نہیں ملتی۔ ہاں اسے اختیار ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے درمیان کے بقایا اقساط ادا کر کے حسب سابق اقساط جاری کرالے' بقایا اقساط ادا نہ کر کے اگر وہ سلسلہ کو منقطع کر کے جمع شدہ رقم واپس لینا چاہے تو ایسا نہیں کرسکتا۔ یہ شرط خلاف شرع اور ناجائز ہے۔ قواعد شرعیہ کی رو سے اس کو تکمیل معاہدہ پر مجبور تو کیا جاسکتا ہے اور عدم تعمیل کی صورت میں کوئی تعزیری سزا بھی دی جاسکتی ہے مگر ادا کردہ رقم کو اس جرمانہ میں ضبط کرلینا جائز نہیں ہوسکتا (کتاب البیوع وغیرہ میں اس قاعدہ کی مثالیں موجود ہیں)

(۴) اگر بیمہ کرانے والا کمپنی کو روپیہ قرض دیتا ہے اور کمپنی اس رقم سے سودی کاروبار یا تجارت وغیرہ کر کے نفع حاصل کرتی ہے۔ اس نفع سے بیمہ کرانے والے کو بھی کچھ رقم بطور سود ادا کرتی ہے۔ اس طرح قطع نظر اس رقم کے سودی ہونے کے وہ سودی کاروبار میں گردش کرتی رہ جاتی ہے جو کہ اسلام کے معاشی نظام کے خلاف ہے۔ ارشاد ربانی ہے کے۔

لایکون دولتہ بین الاغنیاء منکم (پ ۲۸ الحشرء)

تا کہ مال تمہارا مالداروں میں چکر نہ لگا تا رہا۔

(۵) انشورنس کمپنی میں باقی قبائح کے علاوہ ایک قباحت یہ بھی ہے کہ بیمہ داران کو فرداً فرداً اپنے سرمایہ پر حق تصرف واختیار حاصل ہوتا ہے۔

(۶) بیمہ دار جو رقم چھوڑ گیا اس کے ورثہ میں جس کو بلا محنت و مشقت دولت ہاتھ لگی ہو وہ بالعموم اس کو جائز طریقہ سے استعمال نہیں کرتا بلکہ اسراف و تبذیر کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس طرح بھی بیمہ داران کے ناجائز امور میں معاون ثابت ہو کر مجرم قرار پائے گا۔ جیسے دور حاضرہ میں سرمایہ داروں کی اولاد کا حال شاہد عدل ہے۔ وضاحت کی ضرورت نہیں۔

ہوشیار مرد مؤمن سود :- بیمہ کمپنی کا کاروبار سو فیصد سود ہے انشورنس کمپنی بیمہ کے طالب سے ایک معینہ رقم بالاقساط وصول کرتی رہتی ہے ایک معینہ مدت کے بعد وہ رقم اسے یا اس کے پسماندگان کو حسب شرائط واپس کردیتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک مقررہ شرح فیصد کے حساب سے اصل رقم کے علاوہ کچھ مزید رقم بطور سود دیتی ہے۔ گو اس رقم کا نام ان کی اصطلاح میں ربو یا سود نہیں بلکہ بونس یعنی منافع ہے۔ تاہم نام کی تبدیلی سے اس کی حقیقت اور حکم تبدیل نہیں ہو سکے گا بلکہ اور خالصتاً سود ہی قرار پائے گا جس کو شریعت مطہرہ نے حرام قرار دیا ہے۔

احل اللہ البیع وحرم الربوا

اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام فرمایا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

لاتبیعوا لذھب بالذھب لا مثلا بمثل ولا تشقو لبعضھا علی بعض ولا تبیعوا لورق بالورقہ الا مثلا بمثل ولا تشقوا بعضھا علی بعض ولا تبیعو عنھا غائبا بحاضرٍ (بخاری و مسلم)

سونے کو سونے کے عوض نہ بیچو مگر برابر کوئی کسی کو زیادہ نہ دے۔ اور چاندی کو چاندی کو چاندی کے عوض نہ بیچو مگر برابر کوئی کسی کو زیادہ نہ دے اور نہ غائب کا تبادلہ حاضر سے کرو ربوا کی حرمت سود عام ہے قرض کی صورت میں ہو یا دست بدست لین دین کی صورت میں ایک ہی جنس کی اشیاء کے درمیان زیادتی کا معاملہ آنے کی صورت میں۔ چنانچہ حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ کل قرض منفعہ فھو وجہ من وجوہ الربوا بیہقی اور کل قرض جربہ نفعا فھو ربوا یعنی ہر وہ قرض جس سے نفع اٹھایا جائے ربوا ہے۔ نہایہ ابن اثیر میں ہے ھو فی الشرع الزیادہ علی اصل المال عن غیر عقد یتبایع یعنی شریعت کی اصطلاح میں ربوا سے مراد اصل مال سے زیادہ لینا ہے بغیر اس کے کہ فریقین میں بیع کا معاملہ ہوا ہو۔ یا کوئی اور بیمہ ہو یا بینک رقم پر منافع پہلے ہی طے کر لیتے ہیں یہی سود نہیں اور کیا ہے کہ مثلاً ایک ہزار روپیہ دیا۔ ۱۲ سو روپے لیا یہ زائد دو سو روپیہ کس شے کا ہے اسی کو قرآن و حدیث اور فقہ بلکہ عام انسان سود کہتا ہے۔ بیمہ یا بینک اس کا نام منافع رکھ کردے تو وہ کیسے حلال ہو گیا کوئی کسی کو شراب پلائے اور کہے شربت پلا رہا ہوں تو کیا پینے والا شراب کی سزا سے بچ جائے گا۔

مسئلہ :- اگر بیمہ دار اقساط مکمل ہونے کے بعد صرف اپنا راس المال ہی وصول

کرتا ہے سودی رقم نہیں لیتا تب بھی اس صورت کو جواز پر محمول نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ اس کا سرمایہ ایسی کمپنی میں مخلوط و مستعمل ہے کہ جس میں ناجائز سرمایہ کے اجزاء موجود ہیں حلال کو حرام اور پاک کو نجس میں مخلوط کرنا منشاء ایزدی جل و علا کے خلاف ہے۔ منشاء ایزدی یہ ہے حتی یمیز الخبیث من الطیب پاک و ناپاک میں حد فاصل و امتیاز ہونی چاہیئے۔

مسئلہ : بیمہ دار کے اپنا راس المال ہی وصول کرنے سے قطع نظر ایک قباحت یہ بھی موجود ہے کہ اس کے سرمایہ سے کمپنی جو سودی کاروبار کرے گی اس ناجائز کاروبار میں اس کا سرمایہ مدد و معاون ثابت ہوگا جس کا وبال اس پر بھی وارد ہوگا حالانکہ گناہ میں کسی کا تعاون امر الٰہی سے صریح حکم عدولی ہے۔ ارشاد باری ہے۔

تعاونوا علی البر و التقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان

نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کا تعاون کرو گناہ اور تجاوز عن الحد پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

دیوانے کی بڑ :- ہمارے دور میں جہالت کا یہ حال ہے کہ جس نے دو چار کتابیں پڑھ کر داڑھی رکھالی یا کسی دارالعلوم سے منسوب ہوگیا وہ علامہ ہے اور پروفیسر، ڈاکٹری، وکالت پاس کرلی وہ مجتہد ہے۔ پھر اسے اگر نئی تہذیب کو خوش کرنے کے لئے اصول شریعت کو مصلحت پر روئے کار لانے کا شوقین ہے اور اسے حکومت کی سرپرستی بھی حاصل ہے اور امراؤ افسران سے اعلیٰ تعلق کا مالک ہے پھر وہی جو کہہ دے وہ حرف آخر ہے خواہ اصول اسلام کے سراسر خلاف ہے۔ یہی حال بیمہ کے منافع کا ہے ایسے صاحبان نے جب سے فرمادیا ہے کہ بیمہ کے منافع سود نہیں بلکہ منافع تجارت ہیں اب ہماری کون سنتا ہے حالانکہ ان کا کہنا دیوانے کی بڑ سے کم نہیں اس لئے کہ اسلام جن پر نازاں ہے وہ آئمہ و فقہاء و محدثین جو کچھ فرماگئے ہیں وہی

حق ہے چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

(۱) امام بن حجر فتح الباری شرح بخاری ص ۲۴۶ ج ۴ میں لکھتے ہیں

وروی مالك عن زید بن اسلم فی تفسیر الایه قال کان الربوانی الجاهلیه ان سیکون الرجل علی الرجل حق الی اجل فاذا حل قال اتقضی ام تربی فان قضاه اخذ والا زادنی حقه وزاد الاخرفی الاجل

امام مالک زید بن اسلم سے آیت ربوا کی تفسیر میں اس طرح روایت کرتے ہیں جاہلیت کا ربوا اس طرح ہوتا تھا کہ ایک کا دوسرے پر کوئی حق ہوتا تھا (حق عام ہے' قرض ہو' خریدی ہوئی چیز کی قیمت ہو یا کچھ اور) اور اس کی ادائیگی کی ایک مدت مقرر ہوتی تھی جب مدت آجاتی تھی تو وہ کہتا تھا کہ ادا کرو گے یا سود دو گے؟ وہ اگر ادا کر دیتا تھا تو رقم میں اضافہ نہیں ہوتا تھا ورنہ وہ اس کے حق "مال میں اضافہ" کر دیا کرتا تھا اور دوسرا اس کے عوض مدت بڑھا دیا کرتا تھا۔

(۲) ابن رشد الکبیر "المقدمات" میں لکھتے ہیں۔

وکان ربا الجاهلیته فی الدیون ان یکون للرجال علی الرجال الدین فاذه احل قال له اتقضی امر تربی فان قضاه اخذ والازاده فی الحق وزاده فی لاجل فانزل الله فی ذالك ماانزل۔

جاہلیت کا ربوا (سود) دیون میں ہوتا تھا۔ ایک شخص کا دوسرے ذمہ کچھ واجب الادا دین ہوتا تھا جب ادائیگی کی میعاد آجاتی تھی تو وہ اس سے معلوم کرتا تھا کہ ادائیگی کا ارادہ ہے یا سود دینے کا اگر مدیون ادا کر دیتا تو دائن اپنی رقم (بغیر سود) لے لیتا ورنہ مدیون رقم میں اضافہ کر دیتا اور دائن میعاد میں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیات ربوا نازل فرمائیں۔

اس ربوا کو حلال سمجھنے والے کے بارے میں فتویٰ دیتے ہیں

فمن استحل الربا فھو کافر حلال الدم یستتاب فان تاب والا قتل قال اللہ عزوجل ومن عاد فباولئك اصحاب النارھم فیھا خلدون

(بر حاشیہ المدونۃ الکبریٰ ص۱۹ ج ۳)

جو شخص ربوا کو حلال سمجھے وہ کافر ہے جس کو قتل کرنا حلال ہے۔ پہلے اس سے توبہ کرائی جائے گی۔ توبہ کرے تو بہتر ہے' ورنہ قتل کردیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ ممانعت کے باوجود پھر سود لیتے ہیں وہ دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۳) امام محمد بن ادریس الشافعی فرماتے ہیں

وذالك ان الربامنه یکون فی النقد بالزیادہ فی الکیل والوزن ویکون فی الدین بزیادہ الاجل (کتاب الام ص۱۲ / ۱۳ ج ۳)

ترجمہ :- ربوا نقد میں بھی ہوتا ہے اور ادھار میں بھی۔ نقد میں یہ ہے کہ ناپ تول میں اضافہ کردیا جائے ادھار میں یہ ہے کہ معیاد کی زیادتی کے عوض دین (قرض) میں اضافہ کردیا جائے۔

فائدہ :- یہ مسئلہ ایسا اجماعی اور اتفاقی ہے کہ کسی کو اس سے سر موانحرف کی گنجائش نہیں ہے قاضی ابو الولید ابن رشد رقم فرما ہیں۔

علماء کا اتفاق ہے کہ ربوا دو چیزوں میں پایا جاتا ہے۔ ۱۔ تجارت کی بعض صورتوں میں۔ ۲۔اس چیز میں جو ذمہ میں آجائے۔ مثلاً خریدی ہوئی چیز کی قیمت یا قرض یا سلم وغیرہ۔ ذمہ میں جو چیز آجائے اس کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو متفق علیہ ہے اور وہ زمانہ جاہلیت کا ربوا ہے جس کی ممانعت کی گئی ہے اور اس کی صورت یہ تھی کہ وہ میعاد کے اضافہ کے بدلے اصل واجب الادا رقم میں اضافہ کردیا کرتے تھے وہ کہتے تھے

انظرنی ازدك (مدت بڑھادو میں اس کے عوض بڑھتی دے دوں گا' یہ وہی سود ہے۔
جس کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جاہلیت کا ربوا ختم کردیا گیا ہے۔
اور سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کے ربوا کو ختم کرتا ہوں"

(ہدایۃ المجتہد ص ۱۰۶/ج ۲)

(۴) شیخ ابو بکر بن العربی نے احکام القرآن میں آیت ربوا پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کے ایک حصہ کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔

الربا لغت میں زیادتی کو کہتے ہیں' زیادتی میں مزید علیہ یعنی وہ چیز جس پر زیادتی کی جائے' ہونا ضروری ہے' اس بنا پر اختلاف ہوا کہ یہ آیت ہر قسم کے ربوا کے حرام ہونے میں عام ہے یا یہ مجمل ہے۔ جس کے لئے حدیث کے بیان و تشریح کی ضرورت ہے؟ صحیح یہی ہے کہ آیت عام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جو ربوا رائج تھا وہ بالکل مشہور و معروف طریقہ پر ان کے یہاں رائج تھا (اس میں نہ کوئی ابہام ہے نہ اجمال) ایک شخص کسی سے کوئی چیز خرید کر قیمت اسی وقت ادا نہیں کرتا تھا۔ بلکہ ادائیگی کی ایک مدت مقرر کرلی جاتی تھی۔ جب میعاد پوری ہوتی تو فروخت کرنے والا خریدار سے پوچھتا۔ تیرا ارادہ ادائیگی کا ہے۔ یا سود دینے کا؟ جیسا وہ جواب دیتا اس کے مطابق عمل ہوتا' اللہ تعالیٰ نے ان سب کو حرام فرمایا۔

یاد رہے کہ زیادتی مزید علیہ (جس پر زیادتی کی جائے) کے بغیر ممکن نہیں ہے لہذا جب کسی چیز کو غیر جنس (۱) کے مقابلہ میں فروخت کیا جائے تو زیادتی (بڑھتی) ظاہر نہیں ہوتی اور جب جنس کے مقابلہ میں فروخت کیا جائے جب بھی زیادہ اس وقت تک ظاہری نہیں ہوتی جب تک کہ شریعت اس کو ظاہر نہ کرلے (۲) اسی لئے یہ آیت بعض لوگوں کو مشکل معلوم ہوئی اور مختلف قسم کے اشکالات میں مبتلا ہوگئے لیکن جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے شریعت کے علوم کی روشنی عطا فرمائی ہے۔ وہ آیت کریمہ کو سمجھنے میں کسی قسم کی دقت محسوس نہیں کرتے جن لوگوں کا خیال ہے کہ آیت مجمل

ہے وہ لوگ در حقیقت شریعت کے محامل قطعیہ کو نہیں سمجھتے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ ﷺ کو ایسی قوم کی طرف مبعوث فرمایا جن کی زبان' عربی تھی' تجارت' بیع اور ربوا وغیرہ الفاظ ان کے یہاں عام طور پر سمجھے جاتے تھے لہذا ان کو ان معاملات میں صحیح اور سچی بات کی ہدایت کی اور ان چیزوں سے منع کیا جو ناجائز اور غلط تھیں چنانچہ ارشاد فرمایا۔

لاتاکلو اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارہ عن تراض منکم' اے ایمان والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے' واضح رہے کہ یہاں باطل سے مراد یہ ہے کہ کسی کے مال کو عقد معاوضہ میں بغیر عوض کے لے لینا۔

حاشیہ :-

(۱) مثلاً روپے کا عوض کوئی جنس گیہوں کپڑا وغیرہ خریدا جائے۔

(۲) چنانچہ شریعت نے ہدایت کی کہ اس صورت میں زیادتی نہ کی جائے۔ بلکہ برابری کے ساتھ موازنہ کیا جائے۔

(۳) باطل تو ہر حال میں حرام ہے خواہ رضا مندی ہو یا نہ ہو' تجارت میں رضامندی کی قید لگائی ہے۔ شریعت نے جن معاملات کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے ان میں طرفین کی رضامندی مؤثر نہیں۔

اور تجارت' بیع (خرید و فروخت) کے ہم معنی ہے (پھر اس کی قسمیں بتلائی ہیں) اور ربوا لغت میں زیادتی (بڑھوتری) کو کہتے ہیں اور آیت میں ربوا سے مراد ہر وہ زیادتی ہے جسکے مقابلے میں عوض نہ ہو۔ دونوں آیتوں کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع مطلق کو حلال کیا ہے جس میں بشرط صحت قصد و عمل معاوضہ پایا جائے اور جس میں معاوضہ اس طریقہ پر نہ پایا جائے وہ حرام ہے اہل جاہلیت میعاد اور مدت کے عوض میں

بڑھتی کے خواہاں ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ بیع تو ربوا کی طرح ہے یعنی جس طرح ایک شخص قیمت میں زیادتی لے سکتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے کہ میعاد پر نہ دینے کی صورت میں مدت کے عوض زیادتی لے لے۔ ان کے اس خیال باطل کو رد فرمایا۔

قاعدہ :- اموال ربویہ میں معاوضہ کی مقدار (یعنی مساوات) شریعت نے اپنے ذمہ لے لی ہے اب کوئی شخص ان میں زیادتی کسی طرح کی میعاد وغیرہ کے مقابلہ میں نہیں لے سکتا (احکام القرآن ص ۲۴۲ / ج ۱)

(۵) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ربوا کی بڑی جامع و مانع تعریف بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔

الرباء هو القرض على ان يردى اليه اكثر وافضل مما اخذ

(حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۶ / ج ۲)

ربوا وہ قرض ہے جو اس شرط پر ہو کہ قرض دار، قرض خواہ کو جتنا لیا ہے۔ اس سے زیادہ اس سے اچھا واپس کردے۔

ربوا شرعی پر علامہ محمود الحسن خاں ٹونکی صاحب معجم المصنفین نے بڑی دقیق بحث فرمائی، ہم یہاں اس کا ایک حصہ نقل کرتے ہیں۔

ربوا اور بیع لغات عرب میں سے ہیں، جب تک کوئی اصطلاح شرعی توقیفی، خلاف لغت کے مغیر نہ ہو، کتاب و سنت کے معنی لغت عرب سے معلوم ہوتے ہیں، ربوا لغتہ "زیادہ" ہے اور لسان العرب وغیرہ سے ثابت ہوچکا ہے کہ حقیقت بیع کی "معاهده فی تعاوض الاموال" ہے۔ پس لغوی اعتبار سے ربوا کی تعریف یہ ہے کہ تعاوض الاموال کے معاہدہ میں عوضین مماثلین میں سے ایک عوض کا دوسرے عوض پر زیادت مذکور ہونا "مذکور نہ ہو بلکہ معروف ہو اسکا بھی یہی حکم ہے) باجماع امت ربوا دو قسم پر ہے ایک حسی جس کو کتاب اللہ نے لا تاكلو الربا اضعافا مضاعفه میں بیان فرمایا۔ اور

حدیث صحیح الفضل ربوا میں اسی حسی ربوا کو ہی بیان کیا گیا ہے اور حدیث لاتاخذ والدینار بالدینار ین ولا الدرهم بالدر همین رطبرانی عن ابن عمر بھی بحق ربوا کتاب اللہ کی تفسیر ہے اور تفسیر اضعافا کے تحت داخل ہے۔ حدیث بخاری کی رباحسی کی مفسر ہے۔ الذهب بالذهب مثلاً بمثل (رو البخاری) یعنی فضل ربوا ہے۔ پس اسی حسی رباء شرعی کی بھی وہی تعریف ہے۔ جس کی عربی عبارت یہ ہے۔ الفضل الخال عن العوض المشروط فی البیع" دوسرا رباء "کمی" ہے کہ حسا تفاضل عوضین میں نہیں ہے لیکن شارع نے سد الباب الرباء صورت تماثل کو بھی "ربوا حسی" کے حکم میں قرار دیا ہے جب کہ معاوضہ یدابید نہ ہو کیونکہ مادہ ربوا کا تاخیر و تاجیل ہے اور بغیر تاخیر کے فضل غیر متاعمل ہے اسی معنی پر محمول ہے حدیث مسلم لاربا فیما کان یدا بیدا فضل حسی کا دروازہ اسی "رباء حکمی" سے مفتوح ہے کہ تجارت حاضرہ میں فضل حسی عادۃ ناممکن ہے۔ اسی رباء حکمی کو شارع نے حدیث نهی النبی ﷺ عن بیع دینار اور حدیث الذهب بالورق ربا الاهاء وها الحدیث فی الاشیاء السته میں بیان فرمایا ہے۔

فائدہ :— ان تمام حوالہ جات کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

۱) ربوا شرعی اصطلاحی قرض اور تجارت دونوں میں پایا جاتا ہے۔

۲) ربوا شرعی کو تجارت کی صرف چند شکلوں کے ساتھ خاص کرنا اسلام پر افترا ہے۔

۳) اسلام کی نظر میں "عام سود اور تجارتی سود" دونوں حرام ہیں صرف عام سود کو "حرام" قرار دینا اور "تجارتی سود" کو جائز قرار دینا شریعت سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

۴) ہر وہ چیز جو ذمہ پر آجائے اس میں زیادتی "مشروط یا معروف" طریقہ پر لینا سود ہے خواہ وہ بیع کی صورت میں ہو یا قرض کی یا اسکیم کی شکل میں ہو۔

۵) انشورنس اور بینکنگ میں شرعی ربوا پایا جاتا ہے۔

۶) زیادتی کی شرط کا لفظوں میں بیان کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ جو شرط معروف ہو وہ

بھی مشروط کے حکم میں ہے۔

شریعت میں حقیقت کا اعتبار ہوتا ہے "تسمیہ" (نام رکھ لینے) کا نہیں۔

قاعدہ: اسلام کا ایک مشہور قاعدہ ہے انما العبرہ فی العقود للمعانی لا الالفاظ○ یعنی کسی معاملہ کی حقیقت کا اعتبار ہوگا اور اس کے لحاظ سے شرعی احکام جاری ہوں گے نام رکھنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ ربوا کا نام اگر "منافع" رکھ لیا جائے تو اس سے وہ حلال نہیں ہوگا بنی اسرائیل پر جب چربی حرام ہوگئی تھی تو انہوں نے اس کا دوسرا نام رکھ لیا تھا اور کھانا شروع کر دیا تھا۔

قاعدہ:- شریعت نے جن عقود و معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور ان میں حرام و حلال کا فیصلہ فرمادیا ہے ان میں طرفین کی رضامندی اس پر اثر انداز نہیں ہوگی

جوا (قمار):- جوا کا نام سن کر سچا پکا مسلمان گھبراتا ہے کہ ایسا گندا دھندا' توبہ توبہ لیکن بیمہ کمپنی نے مسلمان کو بھولا بھالا سمجھ کر ایسے رنگ سے اس کے ساتھ جوا کھیلا ہے جسے اب وہ جوا بھی کھیل رہا ہے اور ساتھ یہ بھی کہتا ہے جوا نہیں امداد باہمی ہے۔ مثلاً بیمہ کمپنی کے الفا دوبارہ پڑھیئے وہ لکھتے ہیں۔

پالیسی کی مقررہ میعاد ختم ہونے سے قبل اگر خدانخواستہ بیمہ دار کا انتقال ہو جائے تو بیمے کی کل رقم اور جمع شدہ بونس کی رقم بیمہ دار کے ورثاء کو ادا کر دی جاتی ہے۔ (یہی حال باقی قسموں کا ہے)

جوا تو ہے حوادث کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ واقع ہوں گے یا نہیں اور ہوں گے تو کب اور کس پیمانہ پر اور اس مبہم اور نامعلوم چیز پر کسی نفع کو معلق کرنا ہی قمار ہے جس کو قرآن کریم نے بلفظ میسر حرام قرار دیا ہے بیمہ کا مدار ہی اس نامعلوم اور مبہم نفع کی امید پر ہے جو بلاشبہ قمار میں داخل ہے۔ لیکن چونکہ مسلمان کو میت کا یا دیگر نقصان کا معقول معاوضہ مفت مل رہا ہے اس لئے انجام پر نگاہ ڈالے بغیر نہیں سمجھتا

کہ یہ معاوضہ جہنم میں تو نہیں لے جائے گا۔ تو اسے یقین ہونا چاہئے کہ صورت مذکورہ بلاشبہ قمار ہے' قمار کے بارے میں علمائے شریعت نے جو قاعدہ لکھا ہے وہ یہ ہے' تعلیق الملك علی الخطرو المال فی الجانبین یعنی ملک کو کسی ایسی چیز پر موقوف کرنا جو ہونے یا نہ ہونے کا احتمال رکھے جس طرح بیمہ ہوتا ہے کہ اگر پہلے مرگیا تو اس قدر رقم کا مالک ہوگا ورنہ اتنی رقم نہیں ملے گی۔ قمار (جوا) ہونے کی دوسری شرط یہ بھی ہے کہ دونوں طرف مال ہو اگر ایک طرف مال ہو دوسری طرف نہ ہو تو قمار نہیں ہے۔ اور بیمہ پر یہ قاعدہ صادق آتا ہے اسی لئے اسیر قمار کا حکم لگایا جائے گا اور قمار کا حرام ہونا بنص قرآن ثابت ہے۔ قمار کی حرمت میں غرر اور خطر کی ساری صورتیں داخل ہیں۔ ابو بکر الجصاص الرازی آیت میسر کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

ولا خلاف بین اهل العلم فی تحریم القمار وان المخاطره من القمار وان المخاطره من القمار' قال ابن عباس ان المخاطره قمار وان اهل الجاهلیه کانو یخاطرون علی المال والزوجه وقد کانٓ ذالك مباحا الی ان ورد تحریمه

(احکام القرآن ص ۳۸۸ / ج ۲۰۱)

قمار (جوے) کی حرمت میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے اسی طرح اس امر میں بھی کہ "خطر" کی ساری صورتیں قمار میں داخل ہیں ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "خطر" قمار ہے اہل جاہلیت مال اور بیوی سب کو جوئے کی بازی پر لگادیا کرتے تھے اور شروع میں اس کی اباحت تھی یہاں تک کہ اس کی حرمت نازل ہوگئی۔

غرر اور خطر میں انجام سے بے خبری ہوتی ہے' ملک العلما فرماتے ہیں۔

والغرر مایه کون مستورا العاقبه غرر وہ ہے جس میں انجام سے بے خبری ہو اور بیمہ شدہ شخص یا شے کا وقت سے پہلے تلف ہونا معلوم نہیں ہوتا اور نہ کوئی وقت حاصل یہ ہوا کہ مال کو بازی پر لگانا اور انجام سے بے خبر ہونا جوا ہے' اسی طرح وہ معاملہ جس میں دونوں طرف مال ہو اور انجام معلوم نہ ہو قمار کی حدود میں داخل ہے

خواہ وہ خرید و فروخت کی شکل میں ہو یا بیمہ کی شکل میں

حضرت امام مالک بن انسؒ اسی قسم کے ایک معاملہ کی مثال دیتے ہیں۔

ان یعمد الرجل الی الرجل قد ضلت راحلته او دابته او غلامه و ثمن هذاه الاشیاء خمسون دینارا فیقول انا اخذها منك بعشرین دینارا فان وجدها المبتاع ذهب من مال البائع ثلاثین دینارا اوان لم یجدها ذهب البائع منه بعشرین دینار وهما لایدریان کیف یکون حالها فی ذلك ولا یدریان ایضاً اذا وجدت تلك فاته کیف توخذ یا احدث فیها من امر الله مما یکون فیه نقصها وذیادتها فهذا اعظم المخاطره (المدونۃ الکبریٰ ص ۳۵۴/ج ۳)

ایک شخص کسی دوسرے شخص کے پاس آجائے جس کا اونٹ یا کوئی جانور یا غلام گم ہوگیا ہو اور ان کی قیمت مثلاً پچاس دینار ہو' وہ جاکر کہے کہ میں اس سے گمشدہ چیز کو بیس دینار میں خریدتا ہوں سو اگر خریدنے والے کو گمشدہ چیز مل جاتی ہے' تو مالک کو تیس دینار کا نقصان ہوگا اور اگر نہیں ملتی تو اس کو بیس دینار مفت میں مل جائیں گے' ان دونوں کو معاملہ کرتے وقت کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوگا وہ چیز ملتی ہے یا نہیں اور اگر ملتی بھی تو کس حال میں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس میں زیادتی کمی ہوچکی ہے یہ سب خطر میں داخل ہے

سوالات و جوابات

سوال : بیمہ کمپنی اپنی حاصل کردہ رقم بڑے بڑے کارخانوں پر خرچ کرتی ہے اور ان سے جو منافع حاصل ہوتا ہے اسے وہ اپنے حصہ داروں میں تقسیم کرتی ہے۔ سو یہ ایک قسم کی تجارت ہے۔ اس لئے اس کا منافع جائز ہوگا۔

جواب : بیمہ کمپنی جو منافع اپنے حصہ داروں میں تقسیم کرتی ہے اس کی مدت و شرح مقرر ہوتی ہیں اور یہ بھی ہم سب مانتے ہیں کہ ثمن کے عوض مبیع کے منافع

متعین نہیں ہوتے اگر کوئی قبل از وقت صرف منافع ہی متعین کرے نقصان کی بات ہی نہ ہو مثلاً کسی کو ہزار روپیہ دے کر کاروبار کا کہا شرکت یا مضاربت وغیرہ تو ابھی سے کہہ دیا اس ہزار کی واپسی کے ساتھ دو سو روپیہ زائد لونگا یا دونگا یہی ربوا (سود) ہے اسی طرح یہ منافع بھی خالص سود ہے۔ آخر بنک جو رقوم حاصل کرتا ہے وہ بھی تو انہیں بڑے بڑے کاروباری لوگوں کو قرضہ دیتا ہے اور ان سے حاصل کردہ منافع اپنے حصہ داروں میں مقرر مدت و شرح کے ساتھ تقسیم کرتا ہے تو پھر بنک کے سود اور بیمہ کمپنی کے سود میں کون سا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ ہاں کمپنی اور اس کے کارکنوں اور خیر خواہ لیڈروں مولویوں نے اس کا نام بدل دیا ہے ظاہر ہے کہ محض نام بدل دینے سے کسی معاملہ کی حقیقت نہیں بدلتی بیمہ کمپنی کے منافع بلاشبہ سود ربوا کی تعریف میں داخل ہیں بینک کے سود کو ربوا کی تعریف سے خارج کرنے کے لئے جو وجہ بعض نو تعلیم یافتہ حضرات نے لکھے ان کا جواب خود ان کا اپنا عمل نامہ ہی کافی ہے کہ صریح نصوص کے مقابلہ میں اپنے غلط قیاسات پیش کر رہے ہیں۔

سوال : بیمہ کرنے والے بہت سے علماء اور پیر صاحبان بھی بلکہ بہت سے علماء کے فتاویٰ بھی ہیں جو جواز کہتے ہیں؟

جواب : کتاب کے شروع میں فقیر نے اہلسنّت بریلوی علماء کرام اور دیوبندیوں کی تحقیق سے لکھا ہے کہ علماء کرام کو بدنام کرتے ہوئے ان کے نام لئے گئے بعض کے غلط فتاویٰ چھاپ دیئے بعض علماء نہیں لیڈر محض ہیں اگر خدانخواستہ کسی عالم کا غلط فتویٰ ہے. تو بھی ہمارا یہی مشورہ ہے کہ کسی غلط فتویٰ کو دیکھ کر بیمہ یا انشورنس کے ناجائز کاروبار میں شریک نہ بنیں۔ اور نہ یہ دیکھیں کہ ہمارے علاقہ کے فلاں بڑے مولوی صاحب یا پیر صاحب اس کاروبار میں شریک ہوگئے ہیں۔ کیونکہ دین قرآن و سنت کا نام ہے کسی مولوی یا پیر صاحب کے عمل اور قول کا نام نہیں جبکہ ان کا وہ قول

و عمل قرآن و سنت کے خلاف ہو اور بیمہ و بینک تو سودی کاروبار کے سوا چل ہی نہیں رہے۔

سوال : فقہ اسلامی مولی الموالاہ ایک مستقل باب سے بیمہ کے اصول اس سے ملتے جلتے ہیں فلہٰذا اس پر قیاس کر کے بیمہ موجودہ صورت میں جائز کیا جائے؟

جواب : یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ عقد موالات کا جواز جو بروایت ابو داؤد حضرت تمیم ؓ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے وہ صرف نو مسلموں کے لئے ہے جن کا کوئی وارث مسلمان موجود نہ ہو اگر وہ کسی شخص سے بھائی چارہ کا معاہدہ کرلیں' تو وہ ایک حیثیت سے ان کا قرار پائے گا۔ زندگی میں جو جنایات کی دیت کسی بھائی پر عائد ہوتی ہے وہ اس شخص پر عائد ہوگی اور مرنے کے بعد اس کی وراثت کا یہ حقدار قرار پائے گا یہ عقد موالات حدیث مذکور کی بنا پر صرف وہ شخص کر سکتا ہے جس کا کوئی مسلمان وارث نہ ہو اور جس کا کوئی مسلمان وارث نزدیک یا دور کا خواہ عصبات میں سے ہو یا ذوی الارحام میں سے موجود ہو تو اس کا یہ عقد موالات کسی شخص سے باطل و کالعدم ہے۔ کیونکہ وارث کا حق تلف کرنے کا اس کو اختیار نہیں۔ اسی لئے صاحب ہدایہ نے لکھا ہے۔ وان کان له وارث فهو ادنى منه وانكانت عمته اوخالته او غيرهما من ذوى الارحام (کتاب الولاء) اس سے واضح طور پر ثابت ہوگیا کہ عقد موالات جو صرف نو مسلموں کے لئے لاوارث ہونے کی حالت میں جائز کیا گیا ہے۔ اس پر عام امداد باہمی کے معاہدہ کو قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ بیمہ کے کاروبار میں نظر آتی ہے نہ بیمہ پالیسی خریدنے والوں کے معاملات سے اس کا کوئی ثبوت مل سکتا ہے۔

سوال : بیمہ امداد باہمی ہی تو ہے اور امداد باہمی اسلام کی عین مراد ہے فلہٰذا جائز ہے۔

جواب : درحقیقت مروجہ بیمہ کو امداد باہمی کہنا ایک دھوکہ ہے اور بیمہ اور سٹہ سے

سودی کاروبار پر آنے والی نحوست کو پوری قوم کے سر پر ڈالنے کا ایک خوبصورت حیلہ ہے نہ تو یہ ہے کہ سودی کاروبار کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ دس ہزار کا سرمایہ رکھنے والا اپنے دس ہزار کے ساتھ بینکوں کے ذریعہ پوری قوم کے نوے ہزار مزید بطور سودی قرض وصول کر کے مثلاً ایک لاکھ کا کاروبار کرتا ہے۔ اگر اس تجارت میں نفع ہوتا ہے تو وہ سارا کا سارا کاروبار کرنے والے کا مال ہے۔ برائے نام دو فیصد یا چار فیصد حساب سے قومی سرمایہ کا سود ہوتا ہے جو بنک حصہ داروں میں تقسیم ہو کر ایک بے منفعت اور بے فائدہ اضافہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ البتہ کاروبار کرنے والے کے لئے ایک لاکھ کے دو لاکھ ہو جاتے ہیں اور اس کی سرمایہ داری بڑھتی جاتی ہے اور اگر فرض کیجئے کہ اس کی تجارت پر زوال آیا اس کا سرمایہ بھی ڈوب گیا تو اس کا نقصان صرف دس ہزار کا یعنی دس فیصد ہوا۔ باقی سرمایہ پوری ملت کا تھا۔ ان کا نقصان نوے فیصد ہوا اول تو یہی ظلم کچھ کم نہیں کہ قوم و ملت کو نفع ملے تو چار فیصد کے حساب سے ملے اور نقصان ہو تو نوے فیصد کے حساب سے پہنچے اس کے علاوہ سودی کاروبار کرنے والے خود غرض لوگوں نے اپنے دس ہزار کے نقصان کو بھی پوری قوم کے سر ڈال دینے کے لئے دو طریقے ایجاد کر لئے ہیں۔ ایک بیمہ دوسرا سٹہ کیونکہ تجارت میں نقصان دو طریقوں سے ہوتا ہے۔ کبھی کوئی حادثہ آگ لگ جانے یا جہاز ڈوب جانے وغیرہ سے پیش آجائے اور کبھی سامان تجارت کی قیمت گھٹ جائے تو نقصان ہوتا ہے۔

پہلے نقصان کو جو خالص اس کی ذات پر پڑنے والا تھا اُس کو بیمہ کے ذریعے پوری ملت کے سرمایہ پر ڈال دیا اور دوسرے نقصان سے بچنے کے لئے سٹہ کا بازار گرم کیا کہ جب ذرا نقصان کا خطرہ نظر آئے تو اپنی بلا دوسرے کے سر ڈال کر خود نقصان سے صاف اور بیباق ہو جائے اسی طرح اگر موجودہ طریق کاروبار کی گہرائیوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بیمہ اور سٹہ در حقیقت سودی کاروبار ہی کے تتمات ہیں جن

کے ذریعہ پوری قوم کے نفع و نقصان سے قطع نظر صرف اپنا پیٹ پالنے اور اپنے سر آئے ہوئے نقصان کو دوسروں کے سر ڈالنے کے لئے بڑی ہوشیاری اور خوبصورتی سے اس کو قومی ہمدردی اور امداد باہمی کا عنوان دیا گیا ہے۔

سوال: اگر انشورنس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے تو کیا مصالح و حاجات مذکورہ کو سامنے رکھ کر الضرورات تبیح المحذورات جو اسلام کا بڑا اہم قاعدہ جائز قرار دیا جائے اور دور حاضرہ کے ضروریات و مصالح ایسے سنگین ہیں کہ اگر دور سابق کے فقہائے کرام آج موجود ہوتے تو مجبور ہو کر پکار اٹھتے کہ بیمہ لازمی اور ضروری ہے۔

جواب: ضروریات و مصلحات کی نصوص قطعیہ کے آگے ذرہ بھر بھی وقعت نہیں رکھتیں اسلام نے ضرورات کی اباحت کے بھی درجات اور اس کا حل بھی بتایا ہے اور مستقل طور پر اس کے اصول و ضوابط بنائے اور قیامت تک آنے والے حالات و اطوار کی تبدیلی میں پیش آنے والے واقعات و حادثات کی فکر اور اس کا دفاع اسلام نے اپنے مکمل ضابطہ حیات ہونے کی حیثیت سے علی وجہ اتم ان کا حل بیان فرمایا اور مکمل دفاع کیا ہے۔ مثلاً نظام زکوۃ و عشر، خمس اور قانون وراثت وغیرہ کے بعد کسی چیز کی گنجائش و ضرورت حیات انسانی کے لئے نہیں رہ جاتی البتہ اس طرح کی کمپنیوں کے پروگراموں میں ملوث ہو کر مسلمان کی توجہ نظام اسلام سے ہٹتی چلی جاتی ہے۔ جس کی اسلام ہرگز اجازت دینے کو تیار نہیں اور نہ ہی سچا پکا مسلمان اس کا روادار ہے کہ اس کے ہاتھ سے اسلام کا دامن چھوٹ جائے۔

فائدہ:

مصالح کے لئے تین شرطیں ہیں۔

۱) مصالح کے لئے جو قانون بنایا جائے وہ شریعت کے مطابق ہو نہ کہ خلاف۔

۲) عام عقول اس قانون کو قبول کریں۔

۳) وہ کسی حقیقی ضرورت کو پورا کرنے والا ہو۔ (امام شاطبی کی الاعتصام ص ۱۱۰/ج ۱)

امام موصوف نے الموافقات میں لکھا کہ وہ معتبر ہیں کہ شریعت کی نگاہ میں مصالح ہوں صرف چند ظاہری فائدوں کو مصالح نہیں کہا جائے گا مثلاً شریعت نے نکاح فاسد کو قابل قبول نہیں سمجھا حالانکہ اس میں مصالح نظر آتے ہیں جیسے نسب کا ثابت ہونا میراث کا دیا جانا امام موصوف نے آخر میں فرمایا۔

وہی مصالح قابل اعتبار ہیں جو اسباب مشروعہ سے حاصل ہوں اسباب غیر مشروعہ سے حاصل ہونے والے مصالح نہیں ہیں۔

سب سے بڑا اہم امر یہ ہے کہ ایسے احکام جو قرآن و حدیث میں منصوص ہیں وہاں مصالح کی بات اللہ و رسول جل جلالہ ﷺ سے مقابلہ کرنے والا معاملہ ہے اور ربوا و قمار دونوں کو قرآن و حدیث میں حرام قرار دیا ہے اور صریح نص سے اب اس کے بعد مصالح کا سہارا ڈھونڈنا بے دینی والحاد نہیں تو اور کیا ہے۔

خلاصہ

امور بیمہ مع شرعی جوابات : ایک صاحب نے بیمہ زندگی کے اصول و شرائط کو مختصر کر کے سوالات کے طور لکھے ہیں فقیر اس کے مختصر جوابات لکھتا ہے تاکہ بیمہ کی سود و قمار کی لعنت سے اگر کوئی بچنا چاہے تو اسے طویل مضمون بجائے خلاصہ ہذا مد نظر ہو۔

(۱) اس میں کمپنی جو رقم بطور بونس دیتی ہے جس کا نام وہ اپنی اصطلاح میں منافع رکھتی ہے۔ شرعاً سود ہے۔

جواب : ہاں سود ہے اس کا نام بونس (منافع) بدلا تو کیا ہوا نام بدلنے سے شے کی حقیقت نہیں بدلتی جیسے کوئی شراب کا نام شربت بدل کر پینے لگے۔

انکشاف : بیمہ کا طریقہ کار سراسر سود پر مبنی ہے اس لئے کہ بیمہ داروں سے جو رقم وصول کرتی ہے وہ ضرور تمندوں کو سود پر قرض دیتی ہے بقول ان کے وہ تجارت کے امور پر روپیہ کرتے ہیں تو بیمہ داروں کو کل اقساط کی ادائیگی پر جو رقم زائد بطور منافع دیتی ہے وہی سود تو ہے کیونکہ بیمہ داروں کو کل اقساط کی ادائیگی پر جو رقم زائد بطور منافع دیتی ہے وہی سود تو ہے کیونکہ بیمہ دار جو رقم بصورت اقساط جمع کرتا ہے وہ یا تو دین "قرض" ہے یا امانت ہے یا تجارتی کا حصہ دار جو بھی کمپنی کہے اور دین "قرض" میں میعاد کے پورا ہونے پر ایسے ہی امانت کا مال ہے یا تجارتی حساب و کتاب وقت جو منافع مشروط یا معروف دیا جائے مثلاً یہ کہا گیا تھا زبانی یا تحریری سوا روپیہ فی سیکڑہ گیا۔ یہ بھی مشروط کے حکم میں ہے اسے فقہاء کرام نے بہت بڑا استعمال فرمایا کہ المعروف کالمشروط یعنی معروف بھی مشروط کی طرح ہے فلہٰذا جو زائد رقم لی گئی یہی شرعی سود تو ہے۔ خلاصہ یہ بیمہ کمپنی اور بینک کا کاروبار سود ہی ہے صرف شکل کا فرق ہے جسے لفظی فرق کہا جاتا ہے ورنہ حقیقت کے لحاظ سے دونوں ایک ہیں۔

سوال : معاملہ کی یہ شرط کہ اگر بیمہ شدہ شخص یا شے وقت معین سے پہلے تلف ہو جائے تو اتنی رقم ملے گی اور اس کے بعد تلف ہو تو اتنی جب کہ تلف ہونے کے وقت کا تعین غیر ممکن ہے اس معاملہ کو قمار کے حدود میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ (یا نہ)

جواب : کھم کھلا قمار (جوا) ہے کیونکہ قمار اسی کا نام ہے کہ کسی معاملہ میں نفع و نقصان کو کسی غیر معین و غیر معلوم چیز پر معلق رکھنے کا نام قمار (جوا) ہے اور جوا (قمار) بت پرستی (شرک) کے برابر اور شیطانی فعل ہے اللہ نے فرمایا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتبوہ (پ ۷)

بے شک شراب اور بت اور پانسے پلید ہیں اور شیطانی عمل ہے تو اس سے بچو۔

سوال : جو رقم بیمہ دار کو کمپنی دیتی ہے اس سے انکار کر کے اصل رقم لے یہ جائز

ہے یا نہیں؟

جواب: سود کے ساتھ ہی ساتھ بیمہ زندگی یا املاک میں قمار کی جو صورت ہوتی ہے اس میں بھی احتراز کرے تب گنجائش نکل سکتی ہے لیکن ربوا اور قمار کے کاروبار کی اعانت و امداد کی قباحت بدستور رہے گی۔ اور گناہ کی اعانت اور مدد بھی گناہ ہے اس لئے ان سے ایسا لین دین کرنا ہی نہیں چاہیے۔

سوال: جو رقم کمپنی بطور سود ادا کرتی ہے اسے ربوا کے بجائے اس کی جانب سے اعانت و امداد اور تبرع و احسان قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

نوٹ: بعض کمپنیوں کے ایجنٹ اس کا مقصد امداد ہی ظاہر کرتے ہیں۔

جواب: یہ بھی سراسر دھوکہ اور فریب ہے اس لئے کہ تبرع و احسان کی کوئی علامت یہاں موجود نہیں۔ تبرع و احسان پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں عدالتی چارا جوئی کے ذریعہ جبرا وصول کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ بھی بدیہی ہے کہ کمپنی کو براہ راست کسی غریب مصیبت زدہ سے کوئی ہمدردی نہیں کہ وہ اس مد میں کچھ خرچ کرے وہ خالی ایک تجارت یا کاروباری ہے جو اس نظریہ پر قائم ہے کہ عادۃ حوادث کا اوسط کیا رہے گا اور کمائی کا اوسط کیا۔ حوادث کے اوسط کو حاصل شدہ رقم کے اوسط سے بہت کم محسوس کر کے باقیماندہ منافع کے لئے یہ کاروبار جاری ہے۔ کمپنی اگر تبرع و احسان کی دعویدار ہے تو پھر اس حصہ دار بیمہ دار کی کیا تخصیص ہے اس سے زبوں حال لوگ بہت ہیں انہیں کیوں نہیں دیا جاتا یہ تو وہی ہوا کہ اندھے کریں خیرات تو باز بار دیں اپنوں کو یہ تبرع و احسان نہیں بلکہ رشوت ہے اور الراشی والمرتشی کلاھما فی النار لینے دینے والے سیدھے جہنم میں۔

سوال: اگر یہ کاروبار حکومت کے ہاتھ میں ہو تو کیا اس بنیاد پر کہ خزانہ حکومت

میں رعیت کے ہر فرد کا حق ہوتا ہے۔ زیر بحث معاملہ میں سود کی رقم عطیہ حکومت قرار پاکر "ربوا" کے حدود سے خارج ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا اس صورت میں یہ معاملہ جائز ہو سکتا ہے؟

جواب : حکومت ہو یا نجی کمپنی سود بہر حال سود ہے عطیہ حکومت اسی رقم کے عوض ہے تو حرام ہے اگر ویسے دوسری مدات کی حیثیت سے ہے تو اگرچہ اتقاء کے خلاف ہے لیکن جائز ہوگا۔

سوال : فرض کیجئے بیمہ کا کاروبار ہی حکومت کے ہاتھ میں ہے ایک شخص بیمہ پالیسی خریدتا ہے اور میعاد معین کے بعد اصل مع سود کے وصول کرتا ہے؟

جواب : درست ہے اس لئے مال حرام بود جائے حرام رفت لیکن یہ اسے کیسے معلوم ہوگا کہ ٹیکس اتنا آتا ہے اور یہ مال سے اتنا مبہم مجہول کھیل کھیلنے کا کیا فائدہ۔ بہر حال اتنا لے کر حکومت کے ناجائز کھاتہ میں ڈال سکتا ہے لیکن جو زائد بچ جائے گا وہ بھی اس کے لئے حرام ہے یا کسی ایسے دوسرے کو دے جو حکومت کے ناجائز کھاتہ کو سر کرے۔

سوال : سود کی کل رقم بصورت ٹیکس و چندہ خود حکومت کو دیتا ہے؟

(الف) ایسے کاموں میں لگا دیتا ہے جن کا انجام دینا خود حکومت کے ذمہ ہوتا ہے مگر وہ لاپروائی یا کسی دشواری کی وجہ سے انہیں انجام نہیں دیتی مثلاً کسی جگہ پل یا راستہ بنوانا کسی تعلیمی ادارے کو امداد دینا' کنواں کھدوانا' یا نل لگوا دینا وغیرہ جہاں یہ امور قانوناً حکومت کے ذمہ ہوں۔

(ج) ایسے کاموں میں صرف کرتا ہے جو قانوناً حکومت کے ذمہ نہیں ہوتے' مگر عام طور پر رعایا ان کے بارے حکومت کی امداد چاہتی ہے' اور حکومت بھی ان کی اس خواہش کو مذموم نہیں سمجھتی' بلکہ بعض اوقات امداد کرتی ہے۔ مثلاً کسی جگہ کتب خانہ

کھول دینا وغیرہ تو کیا مندرجہ بالا صورتوں میں اس شخص کے لئے بیمہ پالیسی کی خریداری جائز ہوگی اور ربوا لینے کا گناہ تو نہ ہوگا؟

جواب: ان میں جواز کی صورتیں نکل سکتی ہیں لیکن خدا ترس انسان کے لئے آگ کے انگارے ہاتھ رکھنے کی طرح پھر ایسی مصیبت گلے میں ڈالے ہی کیوں۔ ہاں حیلہ سازی سے تو بہانہ جو را عذر ہا بسیار۔

سوال: بیمہ دار اگر سود کی رقم بغیر نیت ثواب کے دوسرے شخص کو امداد کے طور پر دے دیتا ہے تو کیا اس صورت انشورنس کا معاملہ جائز ہوگا۔

جواب: یہ بھی ایک حیلہ بہانہ ہے ورنہ جب یقین ہے کہ بیمہ کمپنی نے حاصل شدہ مال سود اور جوا ہے تو پھر اسے ثواب کی نیت سے لینا عجیب معاملہ ہے یہ تو ایسے ہے جیسے اس ارادہ سے گناہ کرے کہ توبہ کروں گا کیونکہ توبہ بھی ایک نیکی ہے فلہذا اس سے محروم نہ ہو جاؤں۔ ایسا شخص پاگل کہلائے گا اس سے بیمہ کے منافع کو اسی غرض سے لینے کو خود سمجھتے۔

بیمہ کے سبز باغ پر خزاں کا جھونکا: پہلے ان باغبانوں کا حال سن لیں کہ ہمارے دور کی بدقسمتی ہے کہ اکثر مسلم حکومتوں پر ایسے افراد مسلط ہیں کہ جو اپنے وسائل و ذرائع کو اسلام کے احیاء اور اس کی نشاۃ ثانیہ پر صرف کرنے کے بجائے اسلام کی "تجدید" پر خرچ کر رہے ہیں۔ ان کی تمام تر کوششوں کا حاصل یہی ہے کہ عام مسلمانوں کو اسلام کی حقیقی تعلیمات و احکام سے برگشتہ کر کے الحاد اور ذہنی آوارگی کے حوالہ کر دیا جائے۔ اگر کسی حکومت کے زیر انصرام کوئی ایک آدھ ادارہ "تحقیقات اسلامی" کے نام سے بھی نظر آتا ہے تو وہ بھی صرف اس غرض کے لئے ہے کہ "جدید اسلام" کی داغ بیل ڈال کر صحیح اسلام کے نقوش مسلمانوں کے دلوں سے مٹا دیئے جائیں۔ اس قسم کے اداروں کا مافی الضمیر سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے

کہ ان کو غذا استشراق کے طعام خانوں سے ملتی ہے جن کا مقصد وحید یہی ہے کہ جو اسلام تلوار کے زور سے فتح نہیں ہو سکا۔ اس کو تشکیل کی راہوں پر ڈال کر ختم کر دیا جائے۔

مثلاً پاکستان : اخبارات و رسائل اور تصانیف علماء شاہد ہیں کہ ۱۹۴۷ء کے بعد مسائل اسلام کے ساتھ ان خدا کے بندوں نے کیا حشر کیا ہے۔ ہر دن نئی شرارات نیا فتنہ نئی تحقیق کونسا خوش بخت اسلامی مسئلہ جس پر ان بے راہ روندگان نے طبع آزمائی نہیں کی اور یہ جو کچھ ہوا۔ حکومت کے پالتو مجتہدین سے ہوا خدا بھلا کرے علمائے اسلام کا کہ باوجود غربت و افلاس اور بے سرو سامانی کے ان کے مقابلہ میں مسائل کی روح کو بچائے رکھا ورنہ ان پالتو ڈاکٹروں' پروفیسروں' وکلاء نے اسلامی مسائل کی روح کے گلا گھونٹنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور تاہنوز روز نامعلوم تا بہ اپنے مشن کو آگے بڑھانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں چونکہ ان کے پاس حکومت کی طاقت کے علاوہ دیگر اسباب و وسائل بھی بے شمار ہوتے ہیں اسی لئے وہ اسلامی اصول کے خلاف نہایت اعلیٰ خوبصورتی سے سبز باغ دکھا کر اپنی من مانی باتوں کے بعض امور میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

بیمہ انشورنس مثلاً : اس طریقہ کار کو پیش کرنے کا طریقہ کار ملاحظہ ہو (عنوان جمایا ہے بیمہ زندگی) اس غیر یقینی دنیا میں صرف موت ہی ایک یقینی امر ہے۔ کسی مکان کو آگ لگے یا نہ لگے' کوئی جہاز ڈوبے یا نہ ڈوبے' کسی موٹر کو حادثہ آئے یا نہ آئے لیکن ہر انسان کا مرنا ضروری ہے۔ ہم آپ کس گنتی میں ہیں جن بزرگ ہستیوں کو لوگ وَلی' پیغمبر' اوتار' خدا کا بیٹا ایسے ناموں سے یاد کرتے ہیں ان کو بھی موت کے سامنے سر جھکانا پڑا اور ہر بڑے چھوٹے اور شاہ و گدا کو اسی دروازے سے گزرنا پڑا۔

لیکن دن رات اور صبح و شام لوگوں کو راہی ملک عدم دیکھتے ہوئے بھی ہم موت

سے غافل ہیں۔ زبانی نہ سہی لیکن عملاً ہماری طرز زندگی ہماری غفلت کا بدیہی ثبوت ہے۔ دور کیوں جاتے ہیں اپنے محلہ میں ہی دیکھئے کتنے گھر خوشحال ہیں اور کتنے مفلس و نادار؟ ان مفلس گھروں میں زیادہ گھر ایسے ہوں گے جو کسی وقت عیش و عشرت میں رہتے تھے لیکن اس وقت ان کے سردار کو موت کا خیال ہی نہ تھا۔ دنیا کی دلفریبی' غرض مندوں کی خوشامد اور زمانے کی موافقت سے انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ یہ دن ہمیشہ ہی رہیں گے۔ لیکن موت نے آکر ایسا چکر دیا کہ نہ وہ عیش کے سامان رہے اور نہ ہی پرانی شان۔

ہم لوگ شادی کرتے ہیں اولاد پیدا کرتے ہیں' خود عیش کرتے ہیں اور ان کو عیش کرواتے ہیں۔ آج کل حالات زمانہ ہی ایسے ہوگئے ہیں کہ جتنی کسی کی آمدنی ہے اتنا ہی کا خرچ ہے لیکن ذرا سوچیں تو سہی کہ آج ہم کما رہے ہیں اور دن چین اور رات آرام سے گزر رہی ہے لیکن خدانخواستہ اگر کل یا چھ مہینے یا سال یا دو سال کے بعد اگر ہماری موت واقع ہو جائے تو ہمارے اہل و عیال کا کیا حشر ہوگا۔

پچھلے زمانہ میں لواحقین اپنے خاندان کی بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کی پرورش کر سکتے تھے۔ اب نہ محبت ہے نہ فرض شناسی اور نہ ہی بساط۔ اپنا گزارہ مشکل سے ہوتا ہے دوسروں کا بوجھ کون اٹھائے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنی بیواؤں اور بچوں کے لئے کافی روپیہ نہیں چھوڑ جاتے' ان کو یا تو ودھوا آشرموں اور یتیم خانوں کی شرن لینی پڑتی ہے یا محنت مزدوری کی۔

دیکھ کر رنگ فنا خون جگر پینا پڑا
زندگی سے سخت گھبرایا مگر جینا پڑا

اب آپ ہوں یا میں' امیر ہو یا غریب کوئی بھی یہ نہیں چاہتا کہ اس کی عورت اور اولاد کو در بدر بھٹکنا پڑے۔ اس لئے یہ کافی نہیں کہ ہم اپنی زندگی میں ہی اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پالتے رہیں۔ بلکہ کوئی ایسا انتظام کرنا چاہئے کہ خواہ ہم سو برس تک زندہ

رہیں خواہ چل بسیں، ان کا گزارہ اور تعلیم وغیرہ بدستور جاری رہے۔ اس مطلب کے لئے اہل مغرب نے ایک سہل ترکیب نکالی ہے جس کا نام ہے "زندگی کا بیمہ"

زندگی کے بیمہ میں کمپنی درخواست کنندہ کی خواہش، عمر اور صحت اور مدنظر رکھ کر ذمہ داری لیتی ہے کہ اگر بیمہ کنندہ ہر سال اتنے روپے بیمہ کمپنی کو ادا کرتا رہے تو وہ مقرر کردہ رقم (دو ہزار، چار ہزار، دس ہزار) اس کو یا اس کے ورثاء کو ادا کرے گی۔ لیکن یہ کوئی نئی اسکیم نہیں، سینکڑوں برسوں کی آزمودہ چیز ہے۔ مغربی دنیا کے لوگ اس کے فوائد سے آشنا ہو کر اقتصادی تکلیفوں سے محفوظ ہو گئے ہیں۔ وہاں تو اس کا اس قدر رواج ہے کہ لڑکی شادی پر رضامند ہی نہیں ہوتی جب تک کہ اس کی تسلی نہ ہو جائے کہ اس کے ہونے والے خاوند نے اپنی زندگی کا کافی رقم کا بیمہ کرا لیا ہوا ہے۔

ہندوستان میں بھی بیمہ کو جاری ہوئے لگ بھگ سو برس ہو گئے اور جوں جوں لوگ اس کی خوبیاں سے واقف ہو رہے ہیں توں توں ہی زیادہ بیمہ کروا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اس وقت صرف ہندوستانیوں نے ہی ڈیڑھ ارب روپے سے اوپر کا بیمہ کروایا ہوا ہے۔

گورنمنٹ بیمہ کو اس قدر مفید اور ضروری سمجھتی ہے کہ اس نے بیمہ کمپنیوں کی نگہداشت کے لئے گورنمنٹ ایجوری کے ماتحت ایک علیحدہ ایکٹ (قانون) نافذ کر دیا ہے۔ جس کی رو سے ہر ایک بیمہ کمپنی کو دو لاکھ روپیہ کی ضمانت شاہی خزانہ میں داخل کرنی پڑتی ہے۔ حساب کتاب کی باقاعدہ پڑتال ہوتی ہے تاکہ بیواؤں اور یتیموں کے حقوق کی زیادہ سے زیادہ حفاظت ہو سکے۔ یہاں تک کہ بیمہ کو ترقی دینے کے لئے گورنمنٹ نے بیمہ زندگی کے لئے ادا کردہ چندہ کو انکم ٹیکس سے بھی مبرا کر دیا ہے بشرطیکہ یہ کل آمدنی کے چھٹے حصہ سے زیادہ نہ ہو۔

پسماندگان کے لئے زمین یا مکان خریدنا اور بنک میں روپیہ جمع کراتے رہنا اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں۔ لیکن جو خوبی "زندگی کے بیمہ" میں ہے ان میں نہیں مکان یا زمین کے لئے پہلے روپیہ کی فراہمی ضروری ہے اور روپیہ جمع کرنے کے لئے عرصہ درکار ہے لیکن ۔

کیا بھروسہ ہے زندگانی کا
آدمی بلبلا ہے پانی کا

بنک صرف اتنا ہی روپیہ جمع سود واپس کرے گا جتنا آپ نے جمع کرایا ہو گا۔ پس اگر زندگی نے وفا کی تو روپیہ کافی ہو گیا ورنہ وہی مصیبت کی مصیبت۔ یہ وصف صرف بیمہ زندگی میں ہی ہے کہ موت خواہ کسی وقت واقع ہو کمپنی کو گارنٹی کا پورا روپیہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ گویا پہلی قسط ادا کرتے ہیں جائداد تو رجسٹری کردی جاتی ہے اور اس کا روپیہ بذریعہ اقساط وصول کیا جاتا ہے اور اقساط بھی جتنی آپ حین حیات میں ادا کردیں موت ہو جائے تو اقساط فوراً بند اور جائداد یعنی بیمہ کا روپیہ ورثاء کے حوالے کردیا جاتا ہے۔

پس جو لوگ چاہتے ہیں کہ ان کے ناز و نعم سے پلے ہوئے بچے' جان سے پیاری بیوی اور بوڑھے ناتواں والدین ان کے بعد یتیم خانوں' دو ہوا آشرموں اور اپاہج گھروں میں نہ رلتے پھریں یا بھیک مانگنے پر مجبور نہ ہوں یا ان کے کم سن اور ہونہار بچے تعلیم کے لئے دوسروں کے دست نگر اور آوارگی کی زندگی پر مجبور نہ ہوں۔ انہیں ایک لمحہ بھی توقف نہ کرتے ہوئے فوراً ہی زندگی کا بیمہ کرالینا چاہیئے۔ (یہ تھا کمپنی کا پروگرام اب فقیر کی سنئے)

تبصرہ اویسی غفرلہ : مذکورہ بالا تجاویز پڑھ کر یا سنکر ہر انسان اپنی اور اپنے کنبے اور عزیز بچوں اور بیوی کی سہولت بلکہ آرام کی زندگی کے لئے مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ

بیمہ جیسی نعمت سے محروم نہ رہے لیکن سوال یہ ہے کہ وہ آسانی و سہولت سود یا قمار وغیرہ کے طریقہ سے تو نہیں حاصل ہو رہی اگر واقعی و سود اور قمار ہے تو پھر ایسی سہولت و آسانی سے دکھ اور تنگدستی بھلی کہئے کہ علامہ اقبال مرحوم نے فرمایا۔ ؎

اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

دوسرا عنوان بیمہ اور مسلمان

مسلمان کو بیمہ سے باز رکھنے میں انکا یہ خیال بھی کار فرما ہے کہ بیمہ میں سود ہے اور اسلام نے ربا کو اس لئے ناجائز اور حرام قرار دیا ہے کہ ربا لینے والے میں سختی کرنے کا تصور موجود ہوتا ہے اور وہ دوسروں پر ظلم روا رکھتا ہے۔ غور بین نگاہوں سے پوشیدہ نہیں کہ کمپنی کی تشکیل محض بیمہ کرنے کے لئے عمل میں آتی ہے نہ کہ بیمہ کرانے والوں کا ظلم خریدنے کے لئے اور اس امر کا کوئی گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ بیمہ کرانے سے کمپنی پر ظلم ہوگا۔

اب ذرا بیمہ دار کا خیال کیجئے۔ اگر وہ زندہ رہے تو رقم بیمہ معہ منافع وصول کرے اور قبل ازوقت موت واقع ہو جائے تو پسماندگان کے لئے سرمایہ حیات چھوڑ جائے گا اب رہا ایجنٹ، وہ بیچارا اپنا اور لواحقین کا گذارہ اس رقم سے کرتا ہے جو کمپنی کمیشن کے طور پر اس کو ادا کرتی ہے۔ گویا وہ بھی اپنے فرائض سے سبکدوش ہوتا ہے۔

بیمہ کمپنی کا قیام و استحکام بھی ان تینوں پر مبنی ہے۔ (۱) کمپنی (۲) ایجنٹ (۳) بیمہ کنندہ جس میں سے کوئی بھی گھاٹے میں نہیں رہتا بلکہ ہر ایک کو کثیر فائدہ حاصل ہوتا ہے جس سے ان کی ضروریات زندگی باحسن طریق پوری ہوتی ہیں۔ یہ تو ایک قسم کی باہمی امداد ہے جس سے ہزاروں بلکہ لاکھوں نفوس آج امن و اطمینان کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر اس طریقہ کار کو ظلم و ستم کی ترغیب سے تعبیر کر کے اس سے دامن بچایا جائے تو یہ غلطی ہے جس سے ملت اسلامیہ بہ حیثیت مجموعی آج کافی خسارہ

میں ہے۔

یہ ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ بیمہ مسلمانوں ہی کی ایجاد ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس پر تاریخ شاہد ہے۔ جس وقت مسلمان ایک تجارتی قوم کی حیثیت سے اقوام عالم میں سربلند تھے۔ اس وقت بیمہ مال تجارتی Marine Insurance رائج تھی اور زمانیہ کے نام سے موسوم ہوئی جوں جوں مسلمانوں میں شہنشاہیت بڑھتی گئی یہ کام بلقانی۔ یہودیوں نے اپنے قبضہ میں کیا۔ اور جونہی مسلمانوں نے قسطنطیہ سے آگے قدم بڑھائے وہ لوگ جنوبی یورپ کو چھوڑ کر شمال کی جانب روا ہوئے۔ اور انہی لوگوں نے انگلستان پہنچ کر وہاں بیمہ کا کام رائج کیا۔ جو بعد میں Lloyds کے نام سے مشہور ہوا۔ کیا اس دور کے مسلمان اسلامی اصولوں سے نابلد تھے یا اس زمانہ میں وہ ہم لوگوں سے بھی گئے گذرے تھے۔ اسلامی اصولوں پر چلنا پسند نہ کرتے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ بیمہ نہ تو اس وقت رائج تھا جب جناب پیغمبر خدا ﷺ نے خدا کا پیغام دنیا میں پھیلانا شروع کیا اور نہ ہی اس وقت موجودہ زمانہ کے اقتصادی اصول رائج تھے۔ اس وقت سود لینے والوں کی وہ حالت تھی جو اس وقت چند پٹھان سود خواروں کی ہے۔ اور یہ ہر شخص تسلیم کرے گا کہ ایسی سود خوری اور خورانی حد درجہ ذیل اور مضرت رساں ہے اور اسی بنا پر اسلام نے اسے ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔

ہر وہ ملک یا قوم جو آج ترقی پذیر ہے اور ہر طرح سے اپنے اقتصادی حالات درست کرنے میں کوشاں نظر آتی ہے۔ لیکن ہم ہندوستان کے مسلمان ہیں کہ فضول مباحث میں وقت کھو رہے ہیں۔ اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر بیمہ ہوتا ہے اس میں مسلمانوں کا حصہ بمشکل ۴ فی صد ہے۔ مسلمانوں کا اس قدر پیچھے رہنا ان کی انتہائی پستی و کمزوری کی نشانی ہے پولیٹیکل حالات کو درست کرنے کے لئے ملک کی سیاسی انجمنیں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں لیکن یہ خیال کسی کو نہیں آتا کہ بغیر اقتصادی بہترین کے مسلمان کبھی سیاسی ترقی نہیں کر سکتا۔

میرے نزدیک ہر قوم کی اقتصادی ترقی کی شاہراہ کی پہلی منزل بیمہ ہے۔ اور اس میں سے بیمہ زندگی کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ معمولی سے سیاسی معاملہ پر تو سینکڑوں مسلمان جان دینے پر رضامند ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر ان کو یہ کہا جائے کہ بھائی بیمہ کرانے سے تم اپنی اور مسلمانوں کی مالی و اقتصادی حالت کو بہتر بنا سکتے ہو' تو افسوس ہے کہ کوئی بھی لبیک کہنے کو تیار نہ ہو گا۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

(۱) بیمہ کمپنی سے دی ہوئی کاپی ص ۲۸ تا ص ۳۲

مخلصانہ وعظ : کیسا بہترین وعظ ہے جسے ہر مسلمان نہ صرف تسلیم کرے بلکہ دنیاوی زندگی کی عین مراد۔ لیکن اس کا مدعا صرف بیمہ بتانا یہی اسلام کے سنہری اصول کو در پردہ مٹانے یا کم از کم انہیں کمزور کی تحریک ہے۔

(۱) تقدیر ربانی پر ایمان میں ضعف و کمزوری۔

(۲) توکل علی اللہ کی نعمت سے محرومی

(۳) اہل و عیال (بچے۔ بیوی) کے متعلق فکر مندی

(۴) اپنی زندگی کو تنگی تلخی میں ڈال کر آنے والے موہومی معاملات کی سدھار کا خیال (فکر)

تبصرہ اویسی غفرلہ : مذکورہ بالا تقریر کمپنی کی طرف سے ہے اب فقیر کی سنئے۔ مانا کہ بیمہ وغیرہ کا آغاز اہل اسلام سے ہوا اور انہوں نے قواعد اسلام کے مطابق کام کیا لیکن یہ کہاں کا اسلامی قانون ہے کہ ہر وہ کام جو مسلمان شروع کریں وہ ہمیشہ اور ضروری اسلام ہو ہم تو مانتے ہیں کہ بیمہ وغیرہ کا جواز اس وقت ہے جب اسلام کے عین مطابق ہو یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے اس کے جواز کی صورت کے لئے علماء

کرام کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

حضرت امام شامی رحمۃ اللہ علیہ جیسے محقق کی رہبری سے بیمہ کا کام چلایا اور خوب چلا لیکن جب اسے یہودیوں نے اپنایا اور انہوں نے سودی اصول بیمہ داخل کئے اور اسلامی اصول کو جڑ سے اکھیڑ پھینکا۔ اب کمپنی کے کار پردازن حضرت اسی یہودی اصول کو باقی رکھ کر مسلمانوں پر بیمہ کی لعنت ڈالیں تو ہمارے کو تو برداشت نہیں کسی بے غیرت کو یہودی اصول گوارہ ہیں تو وہ جانے اور اس کا کام۔ ہاں آج بھی اگر کمپنی ان علماء کرام کے مشوروں کے بیمہ کی صورتوں کو تیار کریں۔ جو خدا ترس ہیں تو ہم خود بھی بیمہ کے ممبر بننے کو تیار ہیں لیکن جب وہ اپنے تیار کردہ لیڈر مولوی نما لوگوں سے اصول بنوائیں تو ہمارا بیمہ کو دُور سے سلام۔

بیمہ کب سے : کہتے ہیں اس کا آغاز بہیت کلڈائیہ کی اٹلی کی تاجر برادری نے کی یعنی اسلحہ کے تجار نے جب دیکھا کہ بعض تاجروں کا مال تجارت سمندر میں ضائع ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ انتہائی افلاس تنگدستی کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس صورت حال کا حل یہ نکالا کہ اگر کسی شخص کا مال تجارت سمندر میں ضائع ہو جائے تو تمام تاجر مل کر اس کی معاونت کے طور پر اسے اس مال یا ہر سال ایک معین رقم ادا کیا کریں۔ یہی تحریک ترقی کر کے جہازوں کے بیمہ تک پہنچی کہ ہر ایک ممبر ایک مقررہ رقم ادا کرے تاکہ اس قسم کے حوادث و خطرات کے موقعہ پر نقصان کا کچھ نہ کچھ تدارک کیا جاسکے۔

یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ سب سے پہلے اندلس کی مسلم حکومت کے دور میں بحری تجارت میں حصہ لینے والے مسلمانوں نے تجارتی بیمہ کی طرز ڈالی' ابتداء میں بیمہ کی شکل سادہ سی تھی بعد میں اس کی نئی نئی صورتیں نکلتی رہیں اور تجربے ہوتے رہے۔ ہالینڈ اس تجربے میں پیش پیش رہا۔ موجودہ دور میں ایک مقررہ قسط پر بیمہ

کاری کا نظام سب سے زیادہ مقبول ہے جس کو "سرمایہ کاریاستی بیمہ" کہا جاتا ہے۔ اب دنیا کی حکومتیں بیمہ کو لازمی قرار دے رہی ہیں جس کو "ریاستی بیمہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بیمہ کی ابتدا ۱۴۰۰ء میں بتلائی جاتی ہے۔ ابتدا ہوتے ہی اس کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا اور اس کے مقدمات اسی کثرت سے عدالتوں میں آنے لگے کہ ۱۴۳۵ء میں اس کے لئے خاص عدالتیں مقرر کی گئیں۔ جو صرف بیمہ کا مقدمات سماعت کریں۔ "بیمہ بحری" کے بہت بعد بیمہ "بری" شروع ہوا۔

سلطنت آل عثمان کے زمانہ میں جب حکومت ترکی کے تجارتی تعلقات کے ملکوں سے قائم ہوئے تو یورپین تاجروں کے توسط سے بیمہ اسلامی ملکوں داخل ہوا اور اس کے بارے میں علمائے وقت سے استفسارات شروع ہوئے چنانچہ تیر ہوئیں صدی ہجری کے مشہور فقیہ علامہ ابن عابدین ردالمختار میں کرتے ہیں۔

وبما قررنا لا يظهر جواب ماكثر السوال عنه فی زماننا وهو انه جرت العادة ان التجار اذا استاجرو امركبا من حربی يدفعون له اجرته' ديد فعون ايضا مالا معلوما لرجل حربی مقيم فی بلاده يسمی ذالك المال "سوكره" علی انه مهما هلك من المال الذی فی المركب بحرق اور غرق او نهب او غيره فذالك الرجل ضامن له بمقابلته مايا خذه منهموله و كيل عنه سستامن فی دارنا يقم فی البلاد السواحل الا سلاميته باذن السلطان يقبض من التجار مال السكوره واذ اهلك من مالهم فی البحر شئی يزدی ذالك المستامن للتجار بدله تماما

(ردالمختار (شامی) باب المتامن ص ۳۴۵ ص ۳)

اور ہماری اس تقریر سے اس سوال کا بھی ظاہر ہوگیا جس کے بارے میں آج کل کثرت سے سوالات کئے جارہے ہیں کہ اب طریقہ یہ ہوگیا ہے کہ تاجر جب کسی حربی(۱) سے کوئی بحری جہاز کرایہ پر لیتے ہیں تو اس کا کرایہ ادا کرنے کے ساتھ ہی ساتھ دارالحرب کے کسی باشندہ کو جو اپنے علاقہ میں مقیم رہتا ہے کچھ رقم اس شرط پر

دے دیتے ہیں کہ جہاز میں لدے ہوئے مال کے آتش زدگی، غرقابی اور لوٹ مار ہو جانے کی صورت میں یہ شخص مال کا ضامن ہوگا اور رقم کو "سوکرہ" بیمہ کی رقم کہا جاتا ہے اس کا ایجنٹ ہمارے ملک کے ساحلی شہروں میں شاہی اجازت نامہ کے بعد مستامن (۲) بن کر رہتا ہے جو تاجروں سے بیمہ کی رقوم وصول کرتا ہے اور مال کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں تاجروں کا پورا پورا معاوضہ ادا کرتا ہے۔

(۱) حربی دارالحرب کے باشندے

(۲) رواہ المختار باب المستامن ص: ۳۴۵۔ ج ۳

واضح ہو علامہ موصوف کے فتوے کو تو ہم بعد میں ذکر کریں گے لیکن عبارت مندرجہ بالا سے معلوم ہوا کہ بیمہ بحری کو اس زمانہ میں اچھا خاصا فروغ ہو چکا تھا۔ یورپی ملکوں سے جو جہاز کرایہ پر لئے جاتے تھے۔ ان کا لازمی طور پر بیمہ کرلیا جاتا تھا۔ بیمہ کمپنیوں کا عمل دخل ترقی حکومت میں جاری تھا، بیمہ کمپنیوں کے ایجنٹ ترکی کی بندرگاہوں پر ضابطہ سلطانی اجازت کے بعد مقیم تھے اور انہوں نے اپنے دفاتر قائم کر لئے تھے یہاں تک کہ علمائے وقت کے پاس اس بارے میں کثرت سے سوالات آنے لگے، کتب فتویٰ میں رد المختار غالباً پہلی کتاب ہے۔ جس میں بیمہ کے بارے میں تفصیل سے جواب دیا گیا ہو۔

بیمہ کی ابتداء جس جذبہ کے تحت ہوئی اور جس طرح وہ ارتقاء کے مختلف ادوار سے گذرا وہ سب کے سامنے ہے لیکن اس کا انجام بھی ہر اس ادارہ کا سا ہوا جو یہودیوں کے ہاتھ میں پڑا کہ یہودیوں نے اس نظام کو جس کی بنیاد تعاون علی البر والتقویٰ" پر تھی۔ اسے ایک ایسے یہودی نظام میں تبدیل کر دیا جس میں قمار (جوا) اور ربوا (سود) دونوں پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مجوزین بضد ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر قسم کا بیمہ جائز ہے بعض صاحبان بیمہ کے موجودہ نظام کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی حلت اور جواز کے قائل ہیں ان حضرات کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔

۱) بیمہ امداد باہمی کی ایک شکل ہے۔ تعاون اور امداد باہمی اسلامی حکم ہے۔ (بیمہ امداد باہمی تو ہے لیکن اس میں سود کی ملاوٹ ہے اسی لئے ناجائز ہے۔
(اویسی غفرلہ)

۲) جس طرح بیع بالوفاء کو گوارا کر لیا۔ اسی طرح اس کو بھی گوارا کر لیا جائے (بیع الوفاء اور بیمہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے اسی لئے اس پر قیاس کرنا غلط ہے۔
(اویسی غفرلہ)

۳) بیمہ کمپنی ضرورت مندوں کو جو قرض دیتی ہے اور اس پر جو سود لگاتی ہے یا بیمہ دار کو اصل مع منافع دیا جاتا ہے۔ وہ شرعی ربوا (سود) نہیں ہے (یہ صرف ادعا ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔) اویسی غفرلہ

بیمہ کمپنی کے اصول واضح طور پر بتاتے ہیں کہ بیمہ ہی سود کا نام ہے۔ ہاں اس میں جواز کی صورتیں پیدا ہیں بعض لوگوں نے اسے جواز میں لانے کے لئے چند صورتیں بتائی ہیں مثلاً۔

۱) عقد موالاہ پر قیاس کہ اس میں ایک غیر شخص دیت وغیرہ کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے اور اس کے معاوضہ میں میراث کا حصہ دار ہو جاتا ہے اسی طرح بیمہ کو بھی سمجھ لیا جائے (یہ سلسلہ بھی محل نظر ہے) اویسی غفرلہ

۲) ودیعت بااجر" (۱) اور مسئلہ "ضمان خطر الطریق" میں بیمہ کی بعض صورتوں کو داخل کیا جا سکتا ہے۔ خطر الطریق ہے کہ کسی نے کسی سے کہا کہ فلاں راستہ پر سفر کرو وہ راستہ اطمینان بخش ہے اگر اس راستہ پر لوٹ گیا تو ضامن ہوں۔ اگر لوٹا گیا تو ضامن نقصان پورا کرے گا۔

(۱) "ودیعت بااجر" کی صورت یہ ہے کہ اپنے مال کو کسی دوسرے شخص کے پاس امانت رکھا جائے اور حفاظت و امانت کی "اجرت" مقرر کردی جائے اس صورت میں اگر مال ضائع ہو جائے تو امین ضامن ہو جاتا ہے اور نقصان کا

معاوضہ اس کے ذمہ واجب ہے۔

(۳) مالکیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی سے وعدہ کرے بدوں کسی عقد کے تو وہ وعدہ لازم ہو جاتا ہے اور نقصان کی صورت میں وعدہ کرنے پر معاوضہ نقصان ضروری ہوتا ہے۔ ان صورتوں میں بھی خامی ہے جس کی وضاحت ہم آگے چل کر امام شامی قدس سرہ کی وضاحت میں عرض کریں گے۔

ہم بیمہ موجود یعنی دور حاضرہ میں عدم جواز کے اس لئے قائل ہیں کہ

(۱) بیمہ اپنی اصل وضع میں یا تو قمار ہے جب کہ مدت مقررہ کے اختتام کے قبل ہی بیمہ دار کی موت واقع ہو جائے یا ربوا ہے جب کہ کل اقساط کی ادائیگی کے بعد بیمہ دار بیمہ شدہ رقم مع منافع حاصل کرے۔ قمار اور ربو' دونوں حرام ہیں (۲) بیمہ میں صفقتان (۱) فی صفقۃ پایا جاتا ہے۔

(۱) صفقہ فقہ میں ایک معاملہ کے ختم ہونے سے پہلے اس میں دوسرا معاملہ داخل کرنا (اویسی غفرلہ)

اس کی مخالفت نص حدیث سے ثابت ہے اور اس کی ممانعت پر ائمہ اور اربعہ کا اتفاق و اجماع ہے۔ (۳) بیمہ سے نظام میراث درہم برہم ہو جاتا ہے کیونکہ بیمہ دار کے نامزد کردہ شخص کو بیمہ کی رقم دی جاتی ہے۔ جب کہ ہر شرعی وارث مال متروکہ کا حقدار ہے (۴) عقد صرف (۲) ہے۔ جس میں مجلس میں قبضہ ضروری ہوتا ہے اور یہاں یہ شرط مفقود ہے (۲) فقہ میں عقد صرف روپے کی بیع روپے سے یا سونے چاندی کی آپس میں بیع کو صرف کہتے ہیں اس میں شرط ہے کہ معاملہ کرنے والے مجلس ختم ہونے سے پہلے مال پر قبضہ کرلیں۔

(۵) عقیدہ تقدیر پر ایمان کا تقاضا ہے کہ پیش آنے والے حوادث اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیئے جائیں اور یہاں بیمہ کرانے والے اس عقیدہ سے فرار کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ پہلے سے حوادث و موت کی پیش بندیاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ایسے افراد سے اللہ جل جلالہ و رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوتے ہیں جیسا واقعہ تابیر النخل کا مشہور ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے تو توکل کا سبق دیا کہ کھجوروں میں بیج ڈالنے کی ضرورت نہیں لیکن انہوں نے بے صبری کی آپ نے ناراضگی کے لہجہ میں فرمایا انتم اعلم بامور دنیاکم۔

"تم جانو اور تمہارا کام"

اس کی تفصیل فقیر کے رسالہ الفتح فی التلقیح میں دیکھئے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان تاجروں کو ہلاک شدہ مال کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ التزام مالا یلزم (جو شے لازم نہ ہو اسے اپنے ذمہ لازم کی جائے) کی صورت ہے۔

سوال : امانت رکھنے والا، امانت کی حفاظت پر اجرت وصول کرلے اور مال ضائع ہوجائے تو وہ ضامن ہوتا ہے۔

جواب : بیمہ کے مسئلہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہاں مال بیمہ کمپنی کی تحویل میں نہیں ہوتا بلکہ بحری جہاز کے مالک یا اس کے ملازموں کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور اگر یہ صورت ہو کہ بیمہ کمپنی کا جہاز بھی ہو تب بھی ہلاک شدہ مال کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں بیمہ کمپنی اجیر مشترک سمجھی جائے گی جس نے حفاظت مال اور مال لے جانے دونوں کی اجرت لی ہے اور ظاہر ہے کہ اجیر مشترک ناگہانی آفات سے مال تلف ہوجانے کی صورت میں ضامن نہیں ہوتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ باب الکفالۃ میں ایک مسئلہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ اس راستہ پر سفر کرو راستہ قابل اطمینان ہے۔ شخص مذکور نے راستہ پر سفر کیا۔ سفر میں مال ضائع ہوگیا۔ تو اطمینان دلانے والا شخص ضامن نہیں ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر اس نے ضمانت کے الفاظ بولے اور کہا کہ تیرا مال

چھیننے کی صورت میں ضامن ہوں' راستہ میں مال چھین لیا گیا تو ضمانت دینے والا نقصان کا معاوضہ دے گا۔ شارح یعنی صاحب در مختار نے دونوں مسئلوں میں فرق اس طرح کیا ہے کہ دوسرے مسئلہ میں ضمانت کے الفاظ صراحۃً پائے جاتے ہیں کیونکہ "انا ضامن" (میں ضامن ہوں) لفظوں میں موجود ہے اور پہلے مسئلہ میں اس طرح نہیں ہے۔ جامع الفصولین میں وجہ فرق اس طرح بیان کی ہے۔

کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ غرر (۱) میں آنے والا' غرر دینے والے سے ضمان اس وقت لے گا جب کہ غرر کسی عقد معاوضے کے ضمن میں پایا جائے یا دھوکہ دینے والا دھوکہ دیئے ہوئے شخص کے حق میں صفت سلامتی کا ضامن ہو مثلاً ایک شخص کسی چکی والے کے پاس گیہوں پسانے کے لئے لایا۔ چکی والے نے اس سے کہا کہ اس برتن میں ڈال دو اتفاق سے برتن میں سوراخ تھا۔ اور چکی والا اس سے واقف بھی تھا۔ تب بھی اس نے گیہوں برتن میں ڈالنے کے لئے کہہ دیا۔ گیہوں سب ضائع ہوگئے۔ چکی کا مالک نقصان کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے عقد اجارہ کے ذیل میں دھوکہ دیا حالانکہ معاملہ کا تقاضا یہ تھا کہ مال کی حفاظت رہے۔"

(۱) فقہ میں غرر کے معنی ہیں، کسی کو دھوکہ دینا اور غلط طریقے سے اس کو طمع میں ڈالنا۔ دھوکہ دینے والے کو غار اور دھوکہ کھائے ہوئے کو مغرور کہتے ہیں۔ غرر کی دو صورتیں ہیں۔ "غرر قولی یعنی زبان سے معاملہ میں دھوکہ دے مثلاً یہ بکری دو سیر دودھ دیتی ہے۔ اور وہ اتنا نہ دیتی ہو۔

(۲) غرر فعلی یعنی فعل سے دھوکہ دینا۔ جیسے گیہوں فروخت کرنے والا خراب گیہوں نیچے کردے اور اچھے گیہوں اوپر کردے۔ واضح رہے کہ غرر خطر کے معنی میں بھی فقہ کی زبان میں بولا جاتا ہے۔ یعنی ملک کو ایسی چیز پر موقوف کرنا جس پائے جانے یا نہ پائے جانے دونوں کا احتمال ہو جس طرح کہ قمار (جوا) میں ہوتا ہے قمار کی علت غرر اور خطر فقہ کی زبان میں بتلائی جاتی ہے۔ اولیٰ غفرلہ۔

میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں قید ضروری ہے کہ دھوکہ دینے والا نقصان سے واقف ہو۔ اور دوسرا شخص اس سے واقف نہ ہو۔ اب ظاہر ہے کہ بیمہ کمپنی کا مقصد تاجروں کو دھوکہ دینا نہیں ہوتا اور نہ ان کو جہاز کے ڈوب جانے یا آگ لگنے وغیرہ کا علم ہوتا ہے۔ رہا عام خطرہ تو وہ تاجر اور بیمہ کمپنی دونوں کو ہوتا ہے۔ کیونکہ تاجر بیمہ کراتے ہی اس وقت ہیں جب ان کو خطرہ ہو اور ہلاک شدہ مال کا معاوضہ لینے کی طمع ہو لہذا بیمہ کے مسئلہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ اگر مسلمان تاجر کا کوئی حربی شریک ہو اور وہ دارالحرب میں بیمہ کمپنی سے معاملہ طے کرے اور مال ہلاک ہونے کی صورت میں معاوضہ کی رقم میں کچھ مسلمان تاجر کا بھی حصہ لگالے تو یہ رقم مسلمان کے لئے حلال ہے کیونکہ "عقد فاسد" دارالحرب میں رہنے والے دو شخصوں کے درمیان ہوا ہے اور دارالحرب والوں کا مال ان کی رضامندی سے مسلمانوں کو پہنچا ہے۔ لہذا اس کے لینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسلمان تاجر دارالحرب میں ہوتا ہے اور وہاں ان کے سامنے یہ معاملہ طے کرتا ہے اور معاوضہ دارالاسلام میں لیتا ہے کبھی اس کے برعکس بھی صورت ہوتی ہے۔ یعنی معاملہ دارالاسلام میں طے ہوا اور وصول دارالحرب میں ہوئی پہلی صورت میں معاوضہ لینا جائز ہے کیونکہ دارالحرب میں طے کیا ہوا معاملہ کالعدم سمجھا جائے گا اور یہ کہیں گے کہ حربی کا مال اس کی خوشی سے لیا گیا ہے اس لئے جائز ہے۔ دوسری صورت میں عقد چونکہ دارالاسلام میں قرار پایا ہے۔ اس لئے عقد پر فساد کا حکم لگایا جائے گا اور معاوضہ لینا ناجائز متصور ہوگا۔

فائدہ : امام شامی قدس سرہ کے دور میں سودی بیمہ نہیں تھا اس لئے اس کے سود کی بحث نہیں فرمائی۔ ہمارے دور میں تو سراسر یہ کام بلکہ اس کے علاوہ اکثر کمپنیوں کے کاروبار و دیگر کئی جدید طریقے نکال کر سود پر جاری ہیں۔ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو

بچائے اور ہدایت بھی نصیب فرمائے۔ (آمین)

اویسی کی اپیل : علماء امت کا فریضہ ہے کہ وہ ان پیش آنے والے مسائل کا حل پیش کریں اجتماعی طور پر نئے مسائل میں غور و فکر کر کے اسلام کی منشاء کے عین مطابق بنائیں سلف میں اس کی متعدد نظیریں موجود ہیں۔

امام ابو بکر الرازی الجصاص اپنی بے نظیر کتاب احکام القرآن میں آیت کریمہ

لعلمه الذين يسطونه منهم

البتہ اسے جان لے جو اس کی استنباط کرتے ہیں

انزلنا اليك الذكر لتبين للناس مانزل اليهم

ہم نے تمہاری طرف قرآن اتارا تاکہ تم اسے لوگوں کو وضاحت سے بیان کرو اور جو ان کی طرف اترا

فحثنا على التفكر فيه وحرضنا على الاستنباط والتدبير وامرنا بالاعتبار لنتسابق الى ادراك احكامه ونتال درجه المستنبطين

اللہ تعالیٰ نے ہم کو غور و فکر کرنے پر آمادہ کیا ہے اور احکام معلوم کرنے اور ان میں غور و خوض کرنے کی دعوت دی ہے اور قیاس سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ ہم اس کے احکام معلوم کرنے کی طرف پیش قدمی کریں۔

فقیر سب سے پہلے اس اپیل کے دعویٰ میں امام الائمہ سیدنا امام ابو حنیفہؒ کی ذات کو پیش کرتا ہے۔ آپ کی سوانحری میں متعدد مقامات ایسے آئے ہیں کہ جونہی کوئی نیا مسئلہ پیش آیا آپ یعنی امام اعظمؒ نے بہت سے حضرات کی شرکت میں ایک مجلس مرتب کی اور مسائل حاضرہ پر غور و فکر شروع کیا امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن فرات سے روایت کیا ہے کہ ابو حنیفہ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی اور اس عظیم کام میں امام صاحب کے شریک رہے چالیس تھے (جب ۷۷ ۴ ج ۲) اسی

طرح میں جب بیع بالوفا کا بخارا اور اس کے اطراف میں رواج شروع ہوا تو چونکہ یہ معاملہ کی ایک نئی صورت تھی، بیع صحیح، بیع فاسد اور رہن کا مجموعہ نظر آتی تھی اس لئے اس زمانہ کے علماء کا اس کے جواز عدم جواز میں اختلاف ہوا، بعض نے اجازت دی، بعض نے ممانعت کی۔

امام ابو الحسن ماتریدی رحمۃ اللہ کو ایک عالم نے مشورہ دیا کہ آپ اسے رہن سمجھتے ہیں میرا بھی یہی خیال ہے لیکن لوگ علماء کے اختلاف سے پریشان ہیں آپ علمائے امت کو جمع فرمائیں تاکہ کوئی متفقہ فیصلہ ہو (جامع الفصولین ص ۲۴۴)

فیصلہ درباره بیع الوفا۔

ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میں نے تمہیں یہ مکان بیچا اس کی شرط یوں لکھے کہ اگر قیمت ادا کروں تو تمہیں مکان واپس کرنا ہوگا بعض علماء نے کہا یہ رہن ہے بعض نے کہا بیع فاسد ہے بعض نے کہا بیع صحیح ہے اسی پر فتویٰ ہے اسی لئے کہ اس میں ایجاب و قبول ہے اگر بیع کے اندر واپسی کی شرط کی گئی تو یہ بیع فاسد ہے اگر ایجاب قبول کے بعد شرط واپس کی گئی تو بیع اور یہ شرط ایک وعدہ ہے جس کی وجہ سے ہوئیں ہیں کوئی خرابی نہیں آتی۔

اویسی کی اپیل: ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مخالفین اسلام نت نئے طریقے تیار کرتے ہیں جن میں بظاہر تو مفت کا مال اور ڈھیروں کے ڈھیر اور نہایت تھوڑے دنوں میں حاصل ہو جائے لیکن وہ ہوتا ہے سود یا جوا اور دور حاضرہ میں مخالفین اسلام کے ایسے کھیل نے ہماری معاشی زندگی کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے اور جس نے قوم کی اجتماعی دولت کو گھن کی طرح کھالیا ہے اس سے گلو خاصی کی کوئی صورت نکلتی ہی چاہئے اسی طرح بیمہ کی اصطلاح اور اس کو صحیح خطوط پر لانے کے اسباب و تجاویز و تدابیر کی جائیں بلکہ سخت ضرورت ہے کہ ''اقتصادیات'' کے منتخب ماہرین اور ارباب بصیرت علماء' ساتھ بیٹھ کر حلال و حرام کی حد پیش نظر رکھ کر بیمہ کاری کا ایسا نظام دریافت کریں۔ جس میں شریعت محمدیہ علی صاحبہان الصلوٰۃ والسلام سے سر مو تجاوز نہ ہو۔ عام مسلمانوں سے بھی ہماری گذارش ہے کہ کمپنیوں اور ان کے کارندوں پر جو اسلام کا نام لیتے ہیں' زور دیں اور ان پر اجتماعی وزن ڈالیں کہ وہ ان کو سود اور قمار کی لعنت سے نجات دلائیں' ان سے صاف صاف کہہ دیا جائے کہ اس یہودی نظام نے ہماری دنیا بھی خراب کر رکھی ہے اور آخرت بھی۔ اس کے برعکس یہ طریق کار صحیح نہیں ہے کہ صرف ماہرین شریعت کی طرف رجوع کر کے ان سے کہا جائے کہ بیمہ کو حلال کر دیں

یا ضرورت و مجبوری کے نام پر کوئی حیلہ نکالیں جیسا کہ آج یہ بیماری زوروں پر ہے کہ غلط اور شرع شریف کے سراسر خلاف امور تیار کر کے زور دیا جاتا ہے کہ انہیں توڑ مروڑ کے ذریعے جائز اور حلال کر دیا جائے۔ ہمارے جیسے تو ایسے طریقوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے لیکن ٹیڈی مجتہدین ان کے نہ صرف حامی بن جاتے ہیں بلکہ انہیں ایسے طریقوں کو قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی سے جائز اور حلال ثابت کر دکھلاتے ہیں "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون"

ٹیڈی مجتہدین : ایسے مجتہدین کا کردار بھی قابل مذمت ہے۔ جو یورپ کے ماہر اقتصادی نظام کی چند خوبیاں یا خوشنما پہلوؤں کو دیکھ کر جواز اور حلت کا فتویٰ دینے میں نہایت بے باک ہیں' ان حضرات کو قرآن کی آیت کریمہ 'ذیل پیش نظر رکھنا چاہیے۔

ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام لتفترو وعلی اللہ الکذب' ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لایفلحون ۝ (النحل پ ۱۴ آیت ۱۱۶)

اور نہ کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھو' بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہیں کبھی کامیاب نہیں ہونگے۔

مجوزین کے دلائل کا خلاصہ آپ پڑھ چکے ہیں' دلائل کی سطحیت بالکل ظاہر ہے مثلاً اس دلیل کو آپ کیا کہیں گے کہ بیمہ کا سود "حلال" ہے کیونکہ قرض میں سود نہیں ہوتا۔

توہمات کے جولبات : مجوزین بیمہ کا کہنا ہے کہ بیمہ کا سود حلال ہے اس لئے کہ وہ قرض ہے اور قرض میں سود نہیں ہوتا۔

جواب : سب کو معلوم ہے کہ قرآن مجید کی آیت ربوا سودی تجارت اور سودی قرض کے جاہلی نظام کو ختم کرنے کے لئے نازل ہوئی تھی۔ جاہلی نظام میں قرض اور تجارت

دونوں کے ذریعہ سود لیا جاتا تھا۔ امام ابو بکر الجصاص الرازی احکام القرآن میں لکھتے ہیں۔

والثانی انه معلوم ان ربا الجاهلیه انما کان قرضاً موجلا بزیاده مشروطه فکانت الزیاده بدلا من الجل فابطله الله وحرمه (۱ج ۵۵۴)

دوسری بات یہ ہے کہ یہ امر بالکل عیاں ہے کہ زمانہ جاہلیت کا سود قرض میعاد کی شکل میں لیا جاتا تھا جس میں زیادتی شرط کرلی جاتی تھی زیادتی میعاد کا بدل ہوتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو باطل قرار دیا۔ اور حرام فرمایا

مغنی ابن قدامہ میں ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا گیا کہ وہ کون سا ربوا ہے۔ جس کے انکار سے کفر لازم آتا ہے۔ امام موصوف نے جواب دیا۔

هوا الزیاده فی الدین — وہ قرض میں زیادتی ہے

ربوا کے بارے میں احادیث نبویہ کا خلاصہ یہی ہے کہ ربوا صرف روپے کے لین دین تک محدود نہیں ہے بلکہ ربوا کے سلسلہ میں بہت سی صورتیں داخل ہیں حتی کہ ان صورتوں کو بھی حرام کردیا گیا جن میں ادھار نہیں ہے بلکہ نقد معاملہ ہے مثلاً ایک تولہ چاندی لے کر دو تولہ چاندی دیدے یا ایک من نقد گیہوں دے کر اس کے معاوضہ میں دو من گیہوں نقد لے لے۔

قرض کے وہم کا جواب: دین کا مطلب صرف قرض لینا ہے کیونکہ دین ثابت فی الذمه (جو بھی انسان کے ذمہ آجائے اس) کو کہتے ہیں۔ اس میں بدل قرض، ثمن مبیع وغیرہ سب داخل ہیں۔ شریعت کی اصطلاح کے نہ جاننے سے بھی لوگ عجیب قسم کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

جیسے ہمارے دور کے ٹیڈی مجتہدین پروفیسر ڈاکٹر وکلاء اور بعض جدت پسند مولوی لیڈر مبتلا ہیں۔ ان کے اکثر اصطلاحات شرع و عرف فقہ سے نابلد ہوتے ہیں۔

توضیح الجواب: بعض ٹیڈی مجتہدین اصطلاحات فقہ سے عدم واقفیت کی وجہ سے

صرف احادیث و آیات کے ظواہر کا سہارا لے کر دھوکہ کھاجاتے ہیں ان کے لئے گذارش ہے کہ فقہ حدیث کی شرح ہے جس طرح حدیث قرآن کریم ہے۔ اس لئے کہ فقہاء کرام نے ان ہی صورتوں کی تفصیلات مرتب کی ہیں جو حدیث میں بیان کی گئی تھیں۔ اس لئے فقہ کی کتابوں میں سود کے مباحث دیکھ کر بعض ٹیڈی مجتہدین اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ قرآن نے جس سود کو حرام کیا ہے وہ قرض والا سود نہیں ہے۔ بلکہ خرید و فروخت کی چند نادر شکلوں میں سود پایا جاتا ہے جو ایام جاہلیت میں مروج نہیں اور جن کا ذکر فقہ کی کتابوں میں کیا گیا ہے۔

ایک اور غلطی : بعض نے تعاون علی البرو التقوی اور ولا یظلمون اس قسم کی عمومی آیات سے استدلال کیا ہے اور کہا کہ بیمہ بھی ایک دوسرے کا تعاون ہے۔

جواب : اس کا کون منکر ہے کہ تعاون نہ ہو لیکن ان آیات پر عموم جب قابل عمل ہے جب اس کے مقابل آیات سود قمار نہ ہوں جب سود و قمار کی صریح نصوص ہیں تو یہ عموم دوسرے عام امور پر ہوگا نہ کہ سود و قمار میں۔ مانا کہ بیمہ کا آغاز مسلمانوں نے کیا لیکن ساتھ یہ بھی تو ان احباب کو یاد ہوگا۔

بیمہ کی ابتدا : سادہ تھا اور اس کا مقصد بھی صرف یہی تھا کہ نقصان زدہ تاجروں کو مالی امداد دی جائے یا اس طرح کہہ لیجئے کہ ایک فرد کی مصیبت کے بوجھ کو بہت سے افراد پر پھیلا دیا جائے اس طرح کہ ہر ایک کو ایک خفیف سی قربانی دینا پڑے لیکن اس قربانی کے عوض جملہ افراد کو مصیبت و آفت کے وقت تعاون حاصل ہو' تعاون علی الخیر کا یہ جذبہ بڑا قابل قدر ہے' قرآن کریم مجید نے اس جذبہ کی متعدد آیات میں رغبت لائی ہے اور حدیث نبوی میں اس کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

ایک توہم اور اس کا جواب : بیمہ کرانے والے شخص کے پیشِ نظر ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کے انتقال کے بعد اس کے بیوی بچے کو تکلیف اٹھانا

پڑے اس مقصد کو حاصل کرنے لئے بہترین حل بیمہ ہے کہ انسان مرنے سے پہلے مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی بیوی بچے در در کے دھکے نہیں کھائیں گے۔

جواب: اس مقصد کو ہم اسلامی نقطہ نگاہ سے غلط نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ تعلیم نبوی اس کو صحیح اور بہتر قرار دے رہی ہے، سرور کائنات ﷺ ایک صحابی سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

انك ان تدع ورثتك اغنياء خير من ان تدعهم عالة يتكففون الناس۔

تمہارا اپنے ورثہ کو غنی چھوڑنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ ان کو ایسا محتاج چھوڑو کہ وہ لوگوں سے سوال کرتے پھیریں۔

اس طرح آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔

ان امرکن مما یھمنی من بعدی (مشکوۃ) تمہارے معاملہ میں مجھ کو فکر میں ڈال رکھا ہے کہ تمہاری گذر میرے بعد کیونکر ہوگی (یعنی میں نے کوئی میراث نہیں چھوڑی ہے اور تم نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی ہے۔)

اپنے دنیا سے چلے جانے کے بعد بیوی بچوں کی فکر ایک فطری داعیہ ہے۔ اس لئے اسلام نے ان کو ختم نہیں کیا بلکہ اس کی ہمت افزائی کی ہے اسلام کی خصوصیت ہے کہ وہ فطری اور جبلی دواعی کو ختم نہیں کرتا بلکہ ان کے لئے مناسب اور جائز راہیں تجویز کرتا ہے۔ جس سے انسان آخرت کی سزا سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ موجودہ بیمہ سے بیوی بچے تو زندگی آرام سے گذاریں یا نہ لیکن خود مرنے کے بعد سیدھا جنہم جاتا ہے اب بھی سمجھ لو۔

بیمہ کا شرعی حل: بیمہ کے حسب ذیل مقاصد بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) سرمایہ محفوظ رہے (۲) اضافہ مال بذریعہ سود یا تجارت (۳) حوادث کی

صورت میں مالی معاونت، موجودہ زمانہ میں حادثوں کی تعداد بے پناہ اضافہ ہوگیا ہے۔ آئے دن ہولناک قسم کے حوادث ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں جانی اور مالی دونوں۔ قسم کے حوادث بے اندازہ نقصان ہوتا ہے۔ (۴) پسماندگان کی مالی امداد

یہ مقاصد خوب ہیں بلکہ اہم ضرورت کی تکمیل ہیں لیکن ان کے حصول کا وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ جس سے دوزخ کا ایندھن نہ بننا پڑے۔ بیمہ پالیسی یا دوسرے وہ طریقہ جن میں سود و قمار کے اصول داخل ہیں ان سے آخرت میں گھاٹ کا سودا ہے دنیا میں نفع ہے ملے یا نہ ملے۔ پھر کیا فائدہ کہ انسان خواہ مخواہ ایسا عمل کیوں کرے جو اسے دوزخ کا ایندھن بنائے۔ شرعی اصول کو رہبر بنا کر کاروبار چلائے اس میں اللہ رزق میں بھی برکت دے گا اور آخرت بھی سنورے گی۔

ہاں اصولِ شرع علماء اسلام سے سمجھ کر اپنے سرمایہ کو انہی اصول شرع کے مطابق خرچ کرے اس کا اپنا بھی بھلا اور بیوی بچوں اور اہل عیال کا بھی بھلا وما علینا الا البلاغ

وصل اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ وعلی اللہ اصحابہ وبارك وكرم و مسلم

اختتام از قلم طلب کرم:

فقیر، مدینے کا بھکاری، ابو الصالح مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

۱۹ دسمبر ۱۹۹۷ء شعبان ۱۴۱۸ھ بروز پیر۔

وارد باب المدینہ یعنی کراچی شریف برائے دورۂ تفسیر قرآن

زیر اہتمام حضرت حسان نعت کونسل پاکستان

بر مکان: شاگردِ عزیز علامہ مفتی پیر سید محمد عارف شاہ زید مجدہ

خطیب و امام جامع مسجد اقصیٰ

(اللہ ان کو دین و دنیا میں سعادت مند بنائے آمین)

تمنائے دل

محترم قرئین!!

ادب واحترام کے ساتھ آپ کی خدمت میں سید لائق علی حاضر ہے کوئی مضمون تحریر کرنے کا اس سے پہلے کبھی تجربہ نہیں ہے۔ لیکن صرف دُعائیں سمیٹنے کی غرض سے حاضر ہو رہا ہوں۔

یہ بے مثال کتاب "ہمہ زندگی مطابق فقہ حنفی" آپکے ہاتھوں میں ہے۔اسے شبینہ کمیٹی کی جانب سے پیش کیا جارہا ہے۔

شبینہ کمیٹی اور جشنِ عید میلادالنبی ﷺ آگنائزنگ کمیٹی نے مسلک کے حوالے سے جو خدمات بلال ٹاؤن میں کی ہیں ان سے اہل علاقہ بخوبی واقف ہیں۔ الحمد للہ اسکی خوشبو سے اہل ایمان کا دل مسرور ہے۔

مسلسل نویں یارسول اللہ ﷺ کانفرنس ہو، یا مسلسل پندرھواں سالانہ شبینہ ہو علما کی خدمت ہو یا ثنا خوانوں کی حوصلہ افزائی ہو، کوئی جلسہ ہو اشاعت ہو، لائبریری کا قیام ہو، تعمیر مسجد ہو یا مدرسہ الغرض یہ کہ مسلک کی خاطر دین اسلام کی پرُ خلوص خدمت کی خاطر ہر میدان میں ہر موقع پر ہر جگہ دن دیکھا نہ رات دیکھی، ہر دم رواں ہر دم دواں نہ صلے کی پرواہ نہ ستائش کی تمنا، نہ دوستوں کی کمی کا شکوہ، نہ دشمنوں کی کثرت کی پرواہ ، نہ طعنوں کا ڈر، نہ گلے کا خوف اللہ قبول فرمائے۔ آمین!

ہمارا منشور یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اس نسبت محمدی ﷺ پر کوئی آنچ نہ آئے۔ یہی ہمارا مقصد ہے۔ یہی دل کی تمنا ہے اس تعلق نسبت اور محمدی ﷺ پیار کو بچانے کے لئے سب تعلق رشتے ناطے دوستی محلے داری ٹوٹ سکتی ہے یاد رکھئے یہ ایمان ہے اور اسکے لئے مسلک اہل سنت والجماعت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

یہ اگر ہے محبت تو کرتے رہیں گے
ہے اگر یہ جرم تو سرزد ہوتا رہے گا

والسلام

سید لائق علی
روح رواں شبینہ کمیٹی و جشن عید میلادالنبی آرگنائزنگ کمیٹی
جنرل سیکٹری : جامع مسجد اقصیٰ و مدرسہ ٹرسٹ